هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے (حقیقت) کی دلیلیں ہیں اور ایماندار لوگوں کے واسطے ہدایت و رحمت ہے۔ سورہ اعراف (۲۰۳)

بصائر

محرم الحرام - خصوصی شمارہ

{ سرپرست: }

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب رضا شاکری (رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہند)

{ چیف ایڈیٹر: }

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

{ مینجنگ ایڈیٹر: }

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس ادارات:

: حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن اصل نژاد

: حجۃ الاسلام والمسلمین سید فیاض حسین رضوی

: حجۃ الاسلام والمسلمین سید منظور عالم جعفری

: حجۃ الاسلام والمسلمین علی عباس حمیدی

: حجۃ الاسلام والمسلمین سید سرور عباس نقوی

ناشر: المصطفیٰ اسلامک ریسرچ سوسائٹی (نمایندگی المصطفیٰ دہلی)

نمایندگی جامعہ المصطفی العالمیہ 18-، تلک مارگ، نئی دہلی

***

مجلہ بصائر میں شائع ہونے والے کسی بھی مواد و مطالب سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

فہرست مطالب

- اداریہ:..ادارہ..4
- اسلامی مناسبتیں...5
- عاشورہ کے پیغامات:..........حجت الاسلام والمسلمین رضا شاکری/رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ دہلی..............6
- امام حسین علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں واقعہ کربلا کے علل و اسباب :.........سجاد ربانی........................8
- معصومین علیہم السلام اور آداب عزاداری:......حجۃ الاسلام ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد/ترجمہ:فیروز علی بنارسی..............16
- امام حسین علیہ السلام کی عزاداری قرآن و احادیث کی روشنی..............نثار احمد..........................22
- حکمت عزاداری:..محمد تقی رضا..........................26
- عزاداری امام حسین علیہ السلام انسانی وحدت کا بہترین نمونہ:...................سید علی ہاشم عابدی........................29
- عزاداری اور تربیت نفس:..ظہور مہدی القمی......................35
- کربلا مظہر تولا و تبرا:...علی خضر عمرانی.....................39
- عزاداری اہلسنت کی نگاہ میں:.....................................منہال رضا خیر آبادی....................44
- واقعۂ کربلا میں حبیبؑ ابن مظاہر کا کردار:............................سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی...................50
- جوانوں کا بہترین آئیڈیل حضرت۔ علی اکبر علیہ السلام:.................... حسن رضا مظفر نگری...................54
- جناب عباسؑ اطاعت و فرمانبرداری امامؑ کے لیے نمونہ عمل:...................سید منظور عالم جعفری سرسوی..................59
- جناب زینب کبریٰ پاسبانِ شریعت و امامت:..........................سید تقی عباس رضوی کلکتوی.................64
- عصر حاضر میں تربیت اولاد امام حسن مجتبی علیہ السلام کی نظر میں:............... فیاض باقر.......................72
- کربلا حریت کی قافلہ سالار...صابر علی عمرانی......................77
- امام کاظم علیہ السلام کا سیاسی کردار:....................................علی عباس حمیدی.......................78
- جناب عمار یاسر اور حق کی پیروی:.......................................سید محمد مجتبیٰ علی رضوی.................85
- منبر کی فریاد...ندیم سرسوی........................89
- جابر بن عبد اللہ انصاری:.......................................خواہر صابرۃ الزہرا.........................91

اداریہ

محرم وصفروہ مہینے ہیں جن میں سن ۶۱ ہجری میں خاندان رسول پر آپ ﷺ ہی کی امت کے اشقیاء نے قیامت ڈھادی اس کے باوجود کے آپ ﷺ نے ان کو إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ ثقلينِ... کہہ کر عدل قرآن قرار دیا اور خطبہ غدیر میں تین بار "أُذَكِّرُكم الله في اهلِ بيتي"،"میں تم کو اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ کہہ کر ان کا پاس و لحاظ رکھنے کی تاکید فرمائی مگر امت نے آپ ﷺ کی آنکھیں بند ہوتے ہی اہل بیت سے آنکھیں پھر الیں جس کے نتیجہ میں یزید جیسا شرابی و جواری بر سر اقتدار آگیا جس نے چادر تطہیر کی آخری فرد سبط اصغر سید شباب اہل الجنۃ امام حسینؑ، ان کے خاندان اور پیروں کاروں کو بیعت نہ کرنے کی شکل میں قتل کرنے کا حکم دیا جس پر ابن زیاد کی فوج نے وہ ظلم ستم ڈھائے کہ جو تاریخ میں بے نظیر ہیں مثلا: نواسہ رسول کو بھوکا پیاسا پس گردن سے ذبح کیا، نالبندی کے بعد لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا ان کے نوجوانون اور جوانوں حتی دودھ پیتے بچوں کو قتل کیا، قتل وغارتگری کے بعد خیموں میں آگ لگائی ان کے اہل وعیال کو اسیر کر کے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام تک بے کجاوہ اونٹوں پر مجمع عام میں اس حالت میں دربدر پھرایا کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے عزیزوں کے سر نوک سناں پر آویزاں تھے یہ ایسے مظالم ہیں کہ جن کی عالم اسلام میں نظیر نہیں ملتی اور بالائے ستم یہ کہ جس صدی میں رسول ﷺ کے گھرانہ کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا کہ جس سے انسانیت شرمندہ ہوجائے آج اس کو "خیر القرون" کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے!!! جو عقل و منطق کے بر خلاف ہے۔

لیکن امام حسین، ان کے خاندان اور اصحاب نے ظلم کے سامنے نہ جھک کر اپنی شہادت اور مصائب کو تحمل کر کے امت مسلمہ کو یہ درس دیا ہے کہ ظلم و ستم کے سامنے جھک جانا دائمی موت ہے اور اپنے رب کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کر دینا حیات ابدی ہے لہذا کربلا دنیا کے تمام انقلابات کے لئے آئیڈیل ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عظیم لیڈر مہاتما گاندھی اور نرسل منڈیلا جیسے افراد بھی آپؑ کے سامنے سر تعظیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔

لہذا تمام عاشقان اور محبان رسول وآل رسول کا فریضہ ہے کہ وہ شہدائے کربلا اور اسیران نینوا کی مظلومیت کو اجاگر کریں اور اپنے قلم اور زبان کے ذریعہ اہل بیت رسول خدا ﷺ کا دفاع کریں کیونکہ "قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی" کا یہی پیغام ہے کہ وہ قرآن اور اہل بیت علیہم السلام سے لوگوں کو آشنا کریں اور ان ہی دو گرانقدر چیزوں کے توسط اپنے اختلافات و انتشار کو دور کریں تا کہ "خیر امت" اور "فرقہ ناجیہ" کا حقیقی مصداق قرار پاسکیں "نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ دہلی" اپنے اس مشن کو آگے برھانے کے لئے "مجلہ بصائر" میں جامعۃ المصطفیٰ کے فارغ طلاب کے مقالات سے استفادہ کرتی ہے اس میگزین میں زیادہ تر مقالات عاشورہ سے مربوط ہیں اور کچھ بقیہ محرم و صفر کی مناسبات سے خداوند متعال سے دعا ہے کہ "نمایندگی المصطفیٰ" کے تمام اراکین و متعلقین کو اپنے سایہ رحمت میں قرار دے۔ آمین

اسلامی مناسبتیں

• محرم الحرام کے اہم واقعات

۲/محرم الحرام امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کا سرزمین کربلا میں وارد ہونا 61ھ ،/وفات حضرت آدمؑ

۶/محرم الحرام شہادت حضرت یحییٰؑ

۷/محرم الحرام عمر بن سعد کے حکم پر امام حسینؑ کے خیموں تک پانی کی ترسیل روک دی گئی

۹/محرم الحرام تاسوعا اور شب عاشورا جس دن دشمن نے حسینؑ بن علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو کربلا میں محاصرہ کیا اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اجتماع کیا۔ امام حسینؑ نے دشمن سے ایک رات کی مہلت مانگی تا کہ اسے عبادت اور دعا و مناجات میں بسر کر سکیں۔

۱۰/ محرم الحرام روز عاشورا امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت سنہ 61 ہجری قمری/ شام غریبان/حرم امام رضاؑ میں بم بلاسٹ سنہ 1415ھ

۱۱/محرم الحرام اسیرانؑ کربلا کا کوفہ کی طرف حرکت سنہ 61ھ

۱۲/محرم الحرام اسیران کربلاؑ کا کوفہ میں ورود/شہادت امام سجادؑ 94ھ یا 95ھ ایک قول کی بنا پر۔

۱۹/محرم الحرام اسیران کربلاؑ کا شام کی طرف حرکت سنہ 61ھ

۲۳/محرم الحرام تخریب حرم عسکریینؑ سامراء سنہ 1427ھ

۲۵/محرم الحرام شہادت امام سجادؑ سنہ 94 یا 95ھ ایک قول کی بنا پر

۲۶/محرم الحرام یزید کے سپاہیوں کے توسط سے مکہ کا محاصرہ اور کعبہ پر پتھراؤ سنہ 63ھ

۲۸/محرم الحرام امام جوادؑ کو بغداد جلاوطن کیا گیا سنہ 220ھ

• ماہ صفر کے اہم واقعات

3/صفر اسیران کربلا و شہداء کے سروں کو شام میں داخل کیا گیا۔ (1محرم سنہ 61ہجری.

7/صفر شہادت امام حسن مجتبی علیہ السلام (ایک روایت کے مطابق)(7 صفر سنہ 50ہجری.

7/صفر ولادت امام موسی کاظم علیہ السلام سنہ 128ہجری/وفات آیت اللہ سید شہاب الدین مرعشی نجفی 1411ہجری.

20/صفر چہلم امام حسین علیہ السلام (20محرم سنہ 61ہجری.

28/صفر وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سنہ 11ہجری/شہادت امام حسن مجتبی علیہ السلام سنہ 50ہجری.

30/صفر شہادت امام علی رضا علیہ السلام آخر صفر سنہ 203ہجری.

عاشورہ کے پیغامات

حجت الاسلام والمسلمین رضا شاکری / رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ دہلی

عاشورہ کسی خاص دن کے واقعہ کا نام نہیں ہے۔ عاشورہ اور محرم "حدیث نفس" کا نام ہے۔ عاشورہ کا تعلق کسی خاص گروہ، قبیلے، طایفہ، مذہب یا مسلک سے نہیں ہے بلکہ عاشورہ کا تعلق انسان اور انسانیت سے ہے۔

اسی لئے عاشورہ اور اس کے اہداف میں تمام مذاہب اور فرق مشترک ہیں اس طرح کہ تمام افراد اس مہینے میں امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں شریک رہتے ہیں۔

محرم میں، سنی، شیعہ، مسلم اور غیر مسلم سبھی امام حسین علیہ السلام جیسے انسان کامل اور ان کے اہل بیتؑ کی مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں اور یہ ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

درواقع محرم اور روز عاشورہ انسان کی حقیقت کی عکاسی اور تفسیر ہے۔ امام حسین علیہ السلام اور یزید لعنۃ اللہ علیہ انسانی دو پہلو اور دو رخ ہیں جن کو قرآن نے "نفس مطمئنہ" اور "نفس امارہ" سے تعبیر کیا ہے اگر انسان کا نفس اپنے پروردگار کی معرفت کے ساتھ منزل اطمینان پر پہنچ جائے تو وہ حسینی ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ گناہ و ناپاکی کے دلدل میں گرفتار ہو جائے تو وہ یزیدی بن جاتا ہے

اس لئے محرم صرف عاشورہ کے دس دن کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ماہ محرم میں ایک ایسا عظیم واقعہ رونما ہوا ہے جو باطل اور حق پرستوں کے درمیان قیامت تک خط امتیاز بن کر رہے گا لہذا جب تک انسان ہے محرم بھی ہے محرم تمام ان فضائل و کمالات کا مہینہ ہے جو سرکار سید الشہداء میں متجلی تھے اسی لئے یہ جہاد، شہادت، اخلاص ، وفاداری، بخشش، دینداری، تحفظ دین، دشمنان دین کے مقابل ایستادگی اور مقاومت کا مہینہ ہے لہذا اس بات کا اعتقاد کہ امام حسین علیہ السلام دین اسلام کے باقی رہنے کی علت ہیں انہیں کی وجہ سے آج دین قائم ہے یہ اسلام کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ایک ہے۔

عاشورہ بہت سے پیغامات اور اسباق اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ عاشورہ کا پیغام ہے کہ دین کو بچانے کے لئے قربانی دینی چاہیے۔ قرآن اور اس کے احکام کی حفاظت میں ہر چیز سے گزر جانا چاہیے۔

عاشورہ کا پیام ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں تمام چھوٹے، بڑے، مرد و عورت، بوڑھے اور جوان، امام اور رعایا دین کی حمایت اور تحفظ کی خاطر سب ایک صف میں کھڑے ہو جائیں۔

حسین بن علی علیہ السلام کا امت اسلامی کے لیے یہ درس و پیغام ہے کہ حق کے لیے، انصاف کے قائم کرنے، ظلم کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور اپنے وجود کو میدان میں لانا چاہیے۔

امام حسین علیہ السلام کا درس، آزادی اور انسانیت کا درس ہے، محرم میں بہت سے اسرار و رموز پنہاں ہیں جن کو ہمیشہ روایتی انداز میں محفوظ رکھنا چاہیے اس مہینہ میں جذباتی اور عاطفی پہلو، اسی طرح اشک و آہ اور مجلس عزا کو بھرپور طریقہ سے برپا کرنا چاہیے محرم میں جذبات اور عواطف کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ پوری تاریخ میں یہی محرم کی عمر دازی کا راز ہے۔

امید ہے کہ تمام، علماء، فضلاء، واعظین اور ذاکرین کرام کربلا کے دردناک واقعہ کو بیان کرنے اور اس کی روایات واقدار کو اپنے قلم اور تقریر سے محفوظ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

اقوال سید الشہداء

- إِنّ شِيعَتَنَا مَنْ سَلِمَتْ قُلُوبُهُمْ مِنْ كُلّ غِشّ وَغَلّ وَدَغَلٍ (بحار الانوار، ج ۶۵ ص ۱۵۶ ح ۱۰)

امام حسین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ہمارا پیرو کار وہ ہے جس کا دل ہر قسم کی خیانت، دھوکے اور فریب سے پاک ہو۔

- إِنّ حُبّنَا لَتُسَاقِطُ الذّنُوبَ كَمَا تُسَاقِطُ الرّيحُ الْوَرَق (حیاۃ الامام الحسین، ج ۱ ص ۱۵۶)

امام حسینؑ: ہم اہلبیت کی محبت گناہوں کو ویسے ہی گرا دیتی ہے جس طرح (تیز) ہوا (درخت کے) پتوں کو گرا دیتی ہے۔

- لاَ تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ عَنْ قَدْرِكُمْ (جلاء العیون، ج ۲ ص ۲۰۵)

امام حسین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: کوئی ایسی بات زبان پر مت لاؤ جو تمہاری قدر و قیمت کو کم کر دے۔

امام حسین علیہ السلام کے کلام کی
روشنی میں واقعہ کربلا کے علل و اسباب

سجاد ربانی

مقدمہ

قارئین کرام !ایک مرتبہ پھر افق پر ماہ محرم کا چاند نمودار ہونے والا ہے،ایک مرتبہ پھر سے وہ یادیں تازہ ہوا چاہتی ہیں جن سے اسلام کی حیات وابستہ ہے، ایک مرتبہ پھر ان نوجوانوں ،جوانوں اور ان بہادروں کو یاد کرنے کا زمانہ آگیا ہے جنہوں نے اپنے خون سے غسل کرکے پیکر شریعت کو پاکیزہ بنایا تھا،جنہوں نے اپنے لہو کے قطروں سے شجر سایہ دار اسلام کو سیراب کیا تھا۔

ہر سال محرم کے آنے اور اس کی یاد کو تازہ کرنے کا ایک فلسفہ ہے اور وہ ہے یہ کہ ہم ان اسباب پر غور کریں جن کے سبب کربلا جیسا عظیم واقعہ رونما ہوا۔

عالم انسانیت کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کے سبب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے صرف 50 برس کے اندر اندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نواسے کو کربلا میں بلا کر شہید کر دیا گیا جس کے لئے کبھی رسول ناقہ بنے، تو کبھی خطبہ روکا تو کبھی سجدے کو طول دیا آخر غور وفکر کا مقام تو ہے کہ جس امت کو اللہ نے ”خیر امت “کہا تھا وہ اتنی پستی میں کیسے چلی گئی کہ اسے اپنے اس نبی کی آل کا پاس ولحاظ بھی نہ رہا جس نے انہیں ضلالت کے دریا سے نکال کر ہدایت کے ساحل تک پہونچایا تھا۔

اس موضوع پر تحقیق کی ضرورت کیوں؟

تاریخی اعتبار سے کسی بھی واقعہ کے پس منظر کو سمجھنا اس لئے ضروری ہوتا ہے تاکہ اس واقعہ میں موجود عبرتوں سے استفادہ کیا جا سکے اور چونکہ کربلا تاریخ کے ان عظیم واقعات میں سے ہے جو ناگوار اور غم انگیز ہونے کے باوجود اسلام کے مقدر کی نوید ہے اور یقیناً افق تاریخ پر کربلا جیسا کوئی دوسرا ایسا واقعہ ہیں نہیں ملتا جو اتنا تاثیر گذار ثابت ہوا ہو لہذا اس کے رونما ہونے کے علل واسباب کی شناسائی کرنی ضروری ہے تاکہ مستقبل اس طرح کا دوسرا واقعہ رونما نہ ہو اور کسی مظلوم کے ساتھ اتنی زیادتی نہ ہو جتنی کربلا میں ہوئی۔

جب سے کربلا کا یہ عظیم واقعہ رونما ہوا تب سے لیکر آج تک ہر صاحب نظر ایک خاص طرز فکر کے ساتھ اس کی تفسیر و تحلیل کرتا ہے اور اس کی روشنی میں اس واقعہ کے علل و اسباب بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن واقعیت سے دور کچھ نا آشنائے حقیقت مصلحتوں کی چادر لپیٹ کر کربلا کے اس عظیم انقلاب کو ایک دوسرا رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات

بڑے معمولی معمولی سی چیزوں کو کربلا کے مقصد کے طور پر پیش کرتے ہیں چنانچہ بعض اسے حصول اقتدار کی جنگ بتاتے ہیں تو کچھ کی کوشش یزید کی شبیہ کو بے داغ بنانے کے لئے اسے دو شہزادوں کی جنگ بتادی جاتی ہے۔

اسی وجہ سے ہم آج کے اس مختصر سے مقالہ میں دنیا کے کسی مفکر یا دانشور سے یہ کربلا کے وقوع کی علت کو دریافت نہ کرکے خود امام حسین ابن علی علیہما السلام کی خدمت میں عرض گذار ہیں: مولا! آپ کے انقلاب اور نہضت کے بارے میں لوگوں کی غلط تفسیریں سنتے سنتے سماعتیں تھک گئیں اب برداشت سے باہر ہے آپ علم لدنی مالک اور خطیب منبر سلونی کے عظیم فرزند ہیں اب آپ ہی مشکل کشائی کیجئے۔

واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل

مذہب اہل بیت کے ماننے والوں کا یہ مسلم عقیدہ ہے کہ امام معصوم کا کوئی بھی کام، کوئی بھی قدم بغیر مصلحت و حکمت کے نہیں ہوتا۔ نیز یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بابا اور بھائی کی طرح امام مفروض الطاعۃ تھے لہذا آپ کا کربلا آنا اور اللہ کی راہ میں اپنی اور اپنے خاندان و اصحاب کی قربانی پیش کرنا بغیر حکمت کے نہیں تھی۔ اب اس امر کے لئے ہمیں مدینہ سے لیکر کربلا تک امام حسین علیہ السلام کے ان کلمات و اقوال کی تحقیق کرنا ہوگی جو آپ کی زبان لسان الٰہی پر جاری ہوئے۔

چنانچہ اگر کلی طور پر ہم سارے بیانات سے اس واقعہ کے رونما ہونے کے اسباب ملاحظہ کریں تو ہمیں 6 بنیادی سبب نظر آتے ہیں جو آپؑ نے اپنے متعدد خطبات اور متعدد بیانات میں ارشاد فرمایا لیکن ہم ان میں سے اکثر کو آپ کے ایک خطبہ سے اقتباس کر رہے ہیں جو آپ نے حر کے فریب خوردہ لشکر کے سامنے مقام "ذو حسم"[1] پر ارشاد فرمایا تھا۔

پہلا سبب: اسلامی حکمرانوں کا مطیع شیطان ہونا

اگر ہم تاریخ کا غائر طور پر مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت مرکز ہدایت سے بہت دور چلی گئی تھی جس کے سبب امت کو انحراف، کجروی اور شیطان کی اطاعت کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔

لوگوں نے حکمرانوں کے خوف و ڈر کے سبب اہل بیت سے منہ موڑ لیا تھا۔ اور جب بنی امیہ امت پر مکمل طور پر مسلط ہوگئے تب تو ایک خدا پرست اور حقیقی موحد گھٹن محسوس کرنے لگا تھا چونکہ امیر شام اور اس کے نابکار بیٹے نے اسلام کے نورانی چہرے کو مسخ کرنے کی ٹھان لی تھی لہذا مورخ شہیر ابن اثیر نے خود امام حسین علیہ السلام کی زبانی آپ کے اس عظیم قیام کی علتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے جو آپ نے لشکر حر سے ملاقات کے بعد ارشاد فرمایا تھا جس میں حر کا لشکر یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ فرزند رسول! جب سب اپنے اپنے گھروں میں چین و سکون کی سانس لے رہے ہیں تو ایسا کیا ہوا جو آپ سب کچھ چھوڑ کر راہی بیابان ہوگئے تو آپ نے معنی خیز سکوت کو توڑتے ہوئے فرمایا تھا:

---

[1] ۔ رجوع کیجئے: فتوح ابن اعثم، ج5، ص134؛ ارشاد مفید، ص427۔

وإن هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان وتركوا طاعة الرحمن؛[1] تحقیق یہ لوگ شیطان کی اطاعت کے حد درجہ پابند ہو گئے ہیں اور انہوں نے پروردگار کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔

آپ واضح طور پر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ وہ معاشرہ جس کی بنیاد میرے نانا نے تقوائے الٰہی پر رکھی تھی اور جس کا محور و مرکز اللہ کی اطاعت و بندگی تھی آج امیر شام اور اس کے نالائق بیٹے نے اسے شیطان کے قلادہ اطاعت کا اسیر بنا دیا ہے اور وہ سماج جسے آج تم اسلامی معاشرہ کہہ رہے ہو اور جس میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کا راگ الاپ رہے ہو وہ درحقیقت ایک ایسا معاشرہ ہے جو شیطان کی گرفت میں اسیر ہو چکا ہے لہذا اس شیطانی چنگل سے چھڑوانے کے لئے ایک قیام ناگزیر ہے میں اسی کے لئے قدم زن ہوا ہوں۔

دوسرا سبب: معاشرہ میں فساد کا ظاہر ہونا

اللہ نے دین اسلام کو مکہ کی سرزمین پر اس وقت بھیجا جب زمانہ زمانہ فترت تھا اور عرب میں فسق و فساد اپنے عروج پر تھا ظلم و جور ہر سو ڈیرا ڈالے ہوئے تھا لہذا اللہ کے رسول نے اپنی پوری قوت کے ساتھ لوگوں کی اصلاح کا عمل انجام دیا لیکن وصال پیغمبر ﷺ کے بعد اس امت میں پھر ہر طرف سے فتنہ و فساد سر اٹھانے لگا لہذا امام حسین کربلا پہونچنے کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: **وأظهروا الفساد**؛[2] انہوں نے اصلاح شدہ معاشرہ کو پھر فساد کی گندگی سے بھر دیا ہے۔

اور صرف اسی خطبہ میں ہی نہیں بلکہ آپؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ کو لکھے ہوئے خط میں بھی اس امر کی طرف اشارہ فرمایا تھا: **إني لم أخرج أشراً، ولا بطراً ولا مفسداً، ولا ظالماً، وإنما خرجت لطلب الاصلاح في أمة جدي**؛[3] میں شر پھیلانے کی وجہ سے، تکبر کی وجہ سے، فساد برپا کرنے، ظلم پھیلانے کی وجہ سے اپنا گھر بار نہیں چھوڑ رہا ہوں بلکہ میں اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے جا رہا ہوں، یہ امت سر سے پیر تک فساد میں غرق ہو چکی ہے چنانچہ اس کی اصلاح صرف میرے اس انقلاب و نہضت سے ہی ہو سکتی ہے۔

تیسرا سبب: حدود خدا کی رعایت نہ کرنا

امام حسین علیہ السلام جس معاشرہ میں تھے اب یہ وہ معاشرہ نہیں رہ گیا تھا جہاں حدود الٰہی قائم رہ گئی ہوں بلکہ اللہ کے حدود کے ساتھ گھر کی لونڈی سے بدتر سلوک روا رکھا جا رہا تھا ظاہر ہے جب اہل بیت رسالت کہ جو اللہ کے سب سے محبوب بندے تھے انہیں

---

[1] ۔ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الکامل فی التاریخ ج 3، ص 408، باب ثم دخلت سنۃ إحدی وستین ذکر مقتل الحسین رضی اللہ عنہ؛ تاریخ طبری، ج 4، ص 304؛ فتوح ابن اعثم، ج 5، ص 144۔

[2] ۔ سابق حوالہ جات

[3] ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج 44، ص 329۔

افراد کی حدود کا کوئی پاس و لحاظ نہ رکھا جا رہا ہو تو پھر دین کے دیگر احکام کے کی نسبت تساہلی اور لا ابالی پن کا اندازہ لگانا کسی بھی خردمند کے لئے مشکل بات نہیں ہے۔

یہ ایک قانون ہے کہ ہر چیز اپنے محور اور مرکز کے گرد گھومتی ہے اور اگر وہ اپنے مرکز سے ہٹی تو سمجھئے اس کا توازن بگڑ جاتا ہے، اسی طرح اہل بیت مرکز دین اسلام ہیں جب جب امت اس محور سے ہٹے گی تو پھر اس کا نتیجہ دین کے ساتھ غداری اور شریعت کی خلاف ورزی ہی نکلے گا۔ ظاہر ہے جب مسند خلافت پر بیٹھا ہوا دعویدار خود ہی گناہوں سے آلودہ ہو، یہاں تک کہ محارم کی توقیر و عزت بھی جس کے نزدیک محفوظ نہ ہو تو پھر اس حاکم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اس کے کردار سے متاثر ہوئے بنا کیسے رہ سکتے ہیں چنانچہ عالم یہ تھا جس کسی کو موقع ملتا وہ بے درنگ الٰہی حدود کو توڑ دیتا گویا اللہ کے دین کی کوئی حرمت ہی باقی نہ رہ گئی تھی لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے کربلا جانے کے ایک سبب کو الٰہی حدود شکنی قرار دیا: **وعطلوا الحدود**؛[1] اے حر کے لشکر والوں! تم یہ نہ سمجھو مجھے اپنا گھر، اپنا خاندان اپنی آل اولاد کی جان عزیز نہیں ہے لیکن میں کیا کروں جب یہ اپنے کو مسلمان کہنے والے ہی حدود الٰہی کا مذاق بنا رہے ہیں تو پھر مجھے میدان میں آنا ہوگا تاکہ میں اپنا فرض منصبی پورا کروں۔ چنانچہ نباض فطرت نے اس امت کو دینی و الٰہی اقدار و حدود کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے اس سفر کا آغاز کیا۔ اور ایسا نہیں ہے کہ لشکر حر سے ملاقات کے موقع پر ہی آپ نے اس امر کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کروائی ہو بلکہ آپؑ مسلسل مدینہ سے لیکر کربلا تک لوگوں کو اس امر کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔

چوتھا سبب: حرام خدا کو حلال سمجھنا

تمام انبیاء کے آنے کا مقصد اور ان کی تمام تر زحمات کا ہدف لوگوں کو اللہ کے احکام کا پابند بنانا اور اس کے حلال و حرام سے آشنا کرنا تھا، اتنے سب انبیاء اسی وجہ سے بھیجے گئے تاکہ وہ آکر اپنی اپنی امتوں کو یہ سمجھائیں کون سی چیز اللہ کو پسند ہے اور کس چیز سے اللہ نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عرب معاشرہ میں آکر انقلاب یہ پیدا کیا کہ گناہوں کی دلدل میں پڑے ہوئے لوگوں کو اس گندگی سے نکالا، ایک جام اور پیمانے پر اپنا سب کچھ لٹا دینے والوں کو وعدہ کوثر سے سیراب کیا، دوسروں کا مال ہڑپنے والوں کے اندر اپنے گھر سے زکات و صدقات دینے کا جذبہ بیدار کیا، اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والوں کو خواتین کی توقیر کرنا سکھائی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حالات بڑی تیزی بدلے اور عالم یہ ہوگیا کہ مسند خلافت پر بیٹھنے والے کہ جو اپنے کو رسول کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امیر سمجھتے تھے ان میں پلیدگی کے جراثیم دوبارہ پنپنے لگے۔

---

[1]۔ ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن محمد الکامل فی التاریخ ج 3، ص 408، باب ثم دخلت سنۃ إحدی وستین ذکر مقتل الحسین رضی اللہ عنہ۔

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ اگر حکمرانوں کے محل سرا میں حرام خدا کو حلال بنانے کی رسم رواج پا گئی تو پھر عام لوگوں کے گھروں میں پہونچنے میں دیر نہیں لگے گی لہذا آپ نے بارہا اس امر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ حر کے لشکر میں بہت سے لوگ اور خود حر کے ذہن میں یہ سوال تھا، جب مسلمان سکون سے رہ رہے ہیں تو آپ کیوں اپنا گھربار چھوڑ کر آئے ہیں تو آپؑ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: **وأحلوا حرام الله وحرموا حلاله**؛[1] یاد رکھو، میں جن لوگوں کے خلاف قیام کے ارادے سے نکلا ہوں انہوں نے حرام خدا کو حلا بنالیا ہے اور حرام خدا کو حلال کر لیا ہے۔ تم عبید اللہ ابن زیاد کے فریب میں آکر یہ گمان نہ کرنے لگو کہ حسینؑ طمع دنیا کے چکر میں کوفہ آرہے ہیں، یا تخت پر بیٹھنے کی خواہش ہمارے دل میں موجزن ہو چکی ہے نہیں، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہم تو اس کے فرزند ہے جس نے بقائے دین اور حفاظت حدود الہی کی خاطر 25 برس تک خلافت سے کنارہ کشی اختیار رکھی تم دنیاوی مسند کی طمع کی بات کرتے ہو ہیں تو اللہ نے جنت کے جوانوں کی سرداری دے رکھی ہے۔

میں تو امت کی بھلائی اور اس کا درد لیکر آیا ہوں اگر تم میں سے کوئی غیرت مند تو اسے میرا ساتھ دینا چاہئے۔

امام حسین علیہ السلام نے صرف اسی خطبہ میں نہیں بلکہ جب ولید کے دربار میں اپ کو بلایا گیا تو آپ نے اپنی شرافت اور یزید کی نالائقی و نااہلی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

إِنّا أَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنُ الرِّسالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلائِكَةِ.. ... يَزِيدُ رَجُلٌ فاسِقٌ شارِبُ خَمْرٍ قاتِلُ النَّفْسِ المحَرَّمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ؛[2]

اے ولید اور دربار والوں ہمیں پہچان لو، ہم اہل بیت نبوت، اور معدن رسالت ہیں، ہم محل نزول ملائکہ ہیں .... اور جس یزید کے لئے تم مجھ سے بیعت کا مطالبہ کر رہے ہو وہ ایک فاسق ہے، معصوموں کا قاتل اور علی الاعلان گناہ کرنے والا ہے۔

پانچواں سبب: حق کی طرف رہنمائی نہ کرنا اور باطل سے منع نہ کرنا

دین میں امر بالمعروف یعنی اچھائیوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور نہی عن المنکر یعنی برائیوں اور گناہوں سے روکنا فرض ہے اور یہ ہر ایک کے لئے واجب ہے اس کا وجوب کسی خاص طبقہ سے مخصوص نہیں ہے اگر کسی معاشرہ میں یہ فکر پروان چڑھنے لگے کہ فلاں شخص کے عمل سے ہمارا کیا مطلب وہ چاہے جو کرے تو سمجھ جائیے وہ ایک غیر جانبدار معاشرہ ہے اس میں اچھائیاں قائم نہیں رہ سکتیں، اور آہستہ آہستہ برائیاں پورے معاشرے کو ایک دن اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔

ظاہر ہے کسی کے جلتے ہوئے مکان کا تماشائی اس امید میں نہ رہے کہ آگ کی لپٹیں اس کے خرمن تک نہیں پہونچیں گی۔

لہذا معاشرہ کی نسبت جو شخص جتنا زیادہ حساس ہوتا ہے اس فریضہ کی ادائگی کا کا اتناہی پابند۔

---

[1] ۔ سابق حوالہ۔

[2] ۔ مجلسی، بحارالانوار، ج44، ص325۔

اب ظاہر ہے امام معصوم کہ جو اسلامی معاشرہ اور امت کے لئے ایک مہربان و شفیق باپ کی حیثیت رکھتا ہے وہ یہ کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے بچے برائیوں میں گھر جائیں اور بد بختی ان کا مقدر بن جائے چنانچہ امام علیہ السلام کے کلمات کے یہ فقرے آپ کے اس جذبہ کے عکاس ہیں:

أَلا تَرَوْنَ الْحَقَّ لا یعْمَلُ بِهِ وَ الْبَاطِلَ لا یتَنَاهَی عنه؛[1]

کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق کی پیروی نہیں کی جارہی ہے اور باطل سے روکا نہیں جارہا ہے۔

امام کا مقصد یہ ہے کہ ہر زندہ ضمیر میں یہ احساس بیدار ہونا چاہئے کہ کہیں ہمارے سماج کی کشتی میں بیٹھا ہوا کوئی سوراخ تو نہیں کر رہا ہے چونکہ جب جب ایسا ہوگا دریا کا پانی کشتی میں داخل ہو جائے گا اور کشتی ڈوب جائے گی اور اس کے سوار ساحل تک نہیں پہونچ سکیں گے۔

چھٹا سبب: یزید جیسے ظالم کا مسند خلافت پر بیٹھنا

سب سے اصلی اور بنیادی سبب و علت کہ جو مذکورہ تمام اسباب کی جڑ اور ام الفساد ہے اور جو امت کے پیکر میں ناسور ہے جس کے سبب امام حسین علیہ السلام نے اپنے وطن کو چھوڑا، اپنے خانوادے، اصحاب و انصار کے ساتھ کربلا میں آئے اور اپنے جانثاروں کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کیا وہ اسلامی معاشرہ میں یزید جیسے فاسق و فاجر حکمراں کا وجود تھا۔

امام حسین علیہ السلام امت کو یہ باور کروانا چاہتے تھے کہ امت کی بھلائی اسی میں وہ اب بھی ہدایت کے اصلی مرکز کی طرف لوٹ آئے ورنہ نہ جانے اسے کیسے کیسے نااہل حکمرانوں کی بیعت و اطاعت کرنی پڑے گی۔

یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کئی مرتبہ اپنے بیانات میں یزید کی نااہلی مسئلہ امت کے سامنے پیش کیا جیسا کہ ہم نے ولید کے دربار کا حوالہ دیا جس میں فرمایا تھا:

یَزِیدُ رَجُلٌ فاسِقٌ شارِبُ خَمْرٍ قاتِلُ النَّفْسِ المحَرَّمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ؛

یزید ایک نااہل، ظالم فاسق حکمراں ہے اے امتیوں تمھیں کیا ہو گیا ہے تمہیں یہ تمیز بھی سلب ہوگئی کہ رسول کی جگہ ایسے ایسے لوگوں کو بیٹھنے دیتے ہو جو فسق و فجور کا مت والا، ہر وقت مستی شراب میں رہنے والا تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایسے شرابی کو امیر المومنین کہہ رہے ہو اور تمہیں حیا بھی نہیں آرہی ہے۔

---

[1] ۔ طبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، ج3، ص114، ح2842۔

چنانچہ والی مدینہ سے ملاقات کے اگلے دن راستہ میں مروان ملا اور بڑے حامیانہ انداز میں کہنے لگا، حسین آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو یہ تمہارے دین اور دنیا کے لئے خیر کا سبب ہوتا. خیبر شکن کے بیٹے کے چہرے پر آثار غضب نمودار ہوئے، جلال نفس پر کمال نفس اللّٰہی کی ردا زیب تن کر کے امت کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا:

إنا لله وإنا إليه راجعون وعلى الإسلام السلام إذ قد بليت الأمة براعٍ مثل يزيد؛[1]

بے شک ہم جہاں سے آئے ہیں ہمیں اسی اللہ کی بارگاہ میں واپس جانا ہے اور اب تو اسلام کا فاتحہ پڑھ لینا چاہئے چونکہ امت یزید جیسے حاکم کی رعایہ بن جانے جیسے امر میں مبتلا ہو چکی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا کی یہ حدیث پڑھی:

من رأى سلطاناً جائراً مستحلاً لحرام الله ناكثاً عهده مخالفاً لسنة رسول الله يعمل في عباد الله بالإثم والعدوان فلم يغيّر عليه بفعل ولا قول، كان حقاً على الله أن يدخله مدخله؛[2]

جو کسی ظالم و جابر حکمراں کو دیکھے جو حرام خدا کو حلال کر رہا ہو اور اپنے عہد کو توڑ رہا ہو، سنت رسول خدا کی مخالفت کر رہا ہو بندگان خدا کے درمیان گناہ و سرکشی کر رہا ہو اور وہ اس کے خلاف اپنے فعل یا قول کے ذریعہ اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ اس شخص کا انجام بھی اس ظالم و جابر کی طرح کرے گا۔ اور اے لوگوں یہ نہیں کہ یہ صرف میرا فریضہ ہے بلکہ یہ پوری امت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اب تم میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر عمل پیرا ہونا چاہے وہ میرا ساتھ دے۔ اسلام کے دامن پر یہ بدنما داغ لگ چکا ہے اس کا اثر صرف خون شہادت سے ہی دھل سکتا ہے اسی لئے حسینؑ ابن علیؑ کربلا کے میدان میں آگئے اور یزید اور اس کے باطل ارادوں کو خاک میں ملا دیا اس کے غرور کے قلعہ کو زمین دوز کر دیا اور ہر دور میں ظلم سے جکڑی ہوئی انسانیت کو پیغام حریت و آزادی دے دیا، شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا:

کربلا ایک تزلزل ہے محیطِ دوراں   کربلا خرمن سرمایہ پہ ہے برق تپاں
کربلا طبل پہ ہے ضربتِ آوازِ اذاں
کربلا جرأتِ انکار ہے پیشِ سلطاں
فکرِ حق سوز یہاں کاشت نہیں کر سکتی
کربلا تاج کو برداشت نہیں کر سکتی۔[3]

---

[1] ۔ سید ابن طاؤوس، اللھوف علی قتلی الطفوف، ص 11۔

[2] ۔ ابو مخنف ازدی، وقعۃ الطف، ص 172؛ طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، ج 3، ص 114، ح 2842

[3] ۔ حسین اور انقلاب، مرثیہ جوش ملیح آبادی۔

نتیجہ:

اگر پوری کربلا کا نچوڑ پیش کیا جائے تو ہمیں ہر جگہ دین خدا کی اقدار اور شریعت محمدی کی بالادستی کے نقوش نظر آتے ہیں گویا رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا لخت جگر اسی اسلام کی تبلیغ و تشہیر کے لئے نکلا تھا جس کا فریضہ نانا ادا کر کے گئے تھے اور جس راہ میں آپ کے بابا اور بھائی شہید ہوئے تھے چونکہ نبی کے بعد امام ہی دین کا وارث، شریعت کا محافظ اور اقدار کا نگہبان ہوتا ہے

لہٰذا آپ کے فرض منصبی کا تقاضہ تھا کہ آپ اس دین کی حفاظت کریں جس کے آپ امام ہیں۔ لہٰذا کلی طور پر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ دین میں بگاڑ اور تخریب در حقیقت امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں پہونچنے کی اصل علت تھی اور دین کو بچانا اور شریعت محمدی کی حفاظت کرنا آپ کا بنیادی مقصد و ہدف تھا۔ غرض آپ جس مقصد کے لئے کربلا گئے تھے وہ آپ اور آپ کے اعوان و انصار کی شہادت کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہونچ گیا اور آپ نے وہ مقصد حاصل کرلیا جو آپ کرنا چاہتے تھے۔

اب ہم ان لوگوں سے یہ بات ضرور کہنا چاہیں گے جنہوں نے واقعہ کربلا کے علل و اسباب کی تاویل و تفسیر امام حسین علیہ السلام کے موقف کے برخلاف کی کہ اے دانشوران امت! آپ شاید یہ بات بھول گئے کہ اگر اس جنگ کو حصول اقتدار اور دو شہزادوں کی جنگ قرار دی جائے تو پھر معاذ اللہ حسین تو اپنے مشن میں کامیاب ہی نہیں ہوئے۔

جبکہ 14 صدیوں سے تاریخ کے ہر گلدستہ سے اذان فتح حسینؑ دی جارہی ہے، ہر منارے سے نقارہ کامرانی بج رہا ہے۔ اگر تمہیں اب بھی یقین نہ آئے تو نماز پڑھنے کے بعد ضرور غور کرنا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہو جو حسینؑ کے نانا نے امت کو تحفہ میں دی تھی یا وہ نماز پڑھ رہے ہو جسے یزید اور اس کا دادا مٹا دینا چاہتا تھا۔

معصومین علیہم السلام اور آداب عزاداری

حجۃالاسلام ڈاکٹر مہدی اکبر نژاد/ترجمہ: فیروز علی بنارسی

جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا ہے اس وقت سے انسانوں میں عزاداری و سوگواری پائی جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عزاداری و سوگواری کے معیار ہر قوم و ملت کی تہذیب و ثقافت کے پیش نظر خاص شکل و صورت کے حامل تھے۔

عزاداری کا رواج اہل بیت علیہم السلام کے درمیان بھی موجود تھا۔ وہ حضرات جب اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو کھوتے تھے تو اس کے لئے عزاداری و سوگواری برپا کرتے تھے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت معصومین علیہم السلام کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے۔ وہ حضرات نہ صرف ماہ محرم میں بلکہ جب بھی موقع فراہم ہوتا سید الشہداء علیہ السلام کے لئے عزاداری برپا کرتے۔ امام حسین علیہ السلام کے لئے معصومین علیہم السلام کی عزاداری و سوگواری کے خاص آداب تھے کہ یہاں پر ان میں سے چند اہم آداب کو ذکر کیا جارہا ہے۔ اصل بات بیان کرنے سے پہلے اس بات کی یاد دہانی ضروری ہے کہ تکرار سے بچنے کے لئے صرف چند روایتوں کے بیان پر اکتفا کی جائے گی۔

۱۔ زینت (بجنے سنورنے) کو ترک کرنا

عزاداری و سوگواری میں زینت یعنی بجنے سنورنے اور سجاؤ سنگھار کو ترک کرنا قدیم الایام سے انسانوں کے درمیان رائج رہا ہے، ارباب عزا اپنے غم واندوہ کو دکھانے کی خاطر بجنے سنورنے کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس طریقہ کار کی تائید بھی کی ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے سلسلہ میں بنی ہاشم کی خواتین کی عزاداری کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :

سید الشہداء علیہ السلام کے سوگ میں کسی ہاشمی خاتون نے نہ اپنی آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ ہی بالوں میں خضاب کیا جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد مارا نہیں گیا۔[1]

۲۔ سیاہ پوشی

تقریباً دنیا میں ہر جگہ دور قدیم سے سیاہ لباس عزا و سوگ کی نشانی مانا جاتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام بھی مصیبت کے وقت سیاہ لباس پہنتے تھے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ اہل حرم کی مدینہ واپسی پر جب اہل بیت علیہم

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۸۴

السلام کا ایک شاعر آگے آگے مدینہ گیا اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر اشعار کی صورت میں اہل مدینہ کو دی تو ابو مخنف کے بقول مدینہ میں کوئی عورت نہیں تھی مگر یہ کہ وہ گھر سے نکل پڑی اور مردوں نے سیاہ لباس پہنے اور ہر طرف گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔[1]

۳۔ کاروبار کو ترک کرنا

آئمہ معصومین علیہم السلام کی رائج سیرت و سنت میں عظیم علمی اور دینی شخصیتوں کی وفات بالخصوص آئمہ معصومین علیہم السلام کی شہادت پر کاروبار کو ترک کرنا رہی ہے۔

مالک جہنی روایت کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے روز عاشورا کے بارے میں مجھ سے فرمایا:

اگر ممکن ہو کہ کسی حاجت کو پورا کرنے کے لئے نہ جاؤ تو مت جاؤ اس لئے کہ عاشورا نحوست کا دن ہے اور اس دن کوئی حاجت بر نہیں آتی اور اگر پوری ہو بھی جائے تو اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس میں ترقی نہیں دیکھو گے۔ اسی طرح اس دن اپنے گھر کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرو کہ جو کوئی بھی روز عاشور اپنے گھر کے لئے کسی چیز کو ذخیرہ کرے گا اس کے ذخیرہ اور خانوادہ میں کوئی برکت نہیں ہوگی۔[2]

امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جو شخص روز عاشورا کو برکت کا دن قرار دے اور اس دن اپنے گھر والوں کے لئے کوئی چیز ذخیرہ کرے تو خداوند عالم اس چیز میں برکت نہیں دے گا اور وہ روز قیامت یزید، عبید اللہ بن زیاد اور عمر سعد (کہ ان سب پر اللہ کی لعنت ہو) کے ساتھ محشور ہوگا۔[3]

۴۔ مجالس عزا برپا کرنا

آئمہ معصومین علیہم السلام ہمیشہ اپنے رفتار و گفتار کے ذریعہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام پر بالخصوص ماہ محرم میں بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔

عزاداری کے طریقوں میں سے ایک طریقہ جو مصائب کے غم و اندوہ کو کم کرنے میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے وہ دنیا سے سفر کرنے والے کے قریبی اعزا اور صاحبان عزا کا ایک جگہ جمع ہونا ہے یہ طریقہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے لئے کوفہ، شام اور مدینہ میں عزاداری کا انعقاد کرنا اس کا ایک نمونہ ہے کہ بعد کے ادوار میں آئمہ معصومین علیہم السلام کے درمیان جاری و ساری رہا۔

---

1 نصوص من تاریخ ابی مخنف، ج۱، ص ۵۰۳

2 کامل الزیارات، ص ۱۷۴

3 زاد المعاد؛ مفاتیح الجنان

امام حسین علیہ السلام کے سوگ میں پہلی مجلس عزا اسیران اہل حرم نے برپا کی، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یزید لعنۃ اللہ علیہ کی بیوی نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا اور اس نے وہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا کہ اس نے عالم خواب میں دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسین علیہ السلام کے سر کا بوسہ لے رہے ہیں۔ اس کے بعد یزید نے اسیروں کو بلوایا۔ ان کی دلجوئی کی اور ان کی رضایت حاصل کرنے کے لئے ان کے مطالبات کو پورا کرنے پر آمادگی کا اعلان کیا تو اہل حرم نے فرمایا: ہم ہر چیز سے زیادہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ و زاری کرنا چاہتے ہیں۔

یزید ملعون نے ان کے عزاداری کے مقدمات فراہم کروائے اور اہل حرم نے سات دنوں تک امام حسین علیہ السلام پر گریہ و زاری کیا۔[1]

علقمہ بن محمد حضرمی نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام امام حسین علیہ السلام پر گریہ و زاری فرماتے تھے اور جو لوگ گھر میں موجود ہوتے اور ان سے تقیہ نہیں کرتے ان کو حکم دیتے کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کریں۔ امام علیہ السلام خود اپنے بیت الشرف میں مجلس عزا برپا کرتے تھے۔

اس روایت سے واضح ہوجاتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام سوز و گداز اور گریہ و زاری کے ساتھ عزاداری برپا کرنے کی تبلیغ و تشویق فرماتے تھے اور اس کے لئے ثواب عظیم کے قائل تھے۔

آپ حضرات عزائے حسینی کے انعقاد پر تاکید فرماتے تھے یہاں تک کہ ان حضرات نے سخت ترین سیاسی حالات میں بھی اسے ترک نہیں کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت میں امام حسین علیہ السلام آپ کی گھریلو عزاداری وہ بھی تقیہ کے حالات میں دیکھی جاسکتی ہے یعنی چھپ کر اور عوام کی موجودگی کے بغیر مجالس عزا منعقد کرنا۔

سفیان بن مصعب عبدی عظیم شیعہ شاعر نقل کرتے ہیں: ایک دن میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیت الشرف میں شرفیاب ہوا اور آپ نے مجھے مصائب پڑھنے کا حکم دیا۔

میں نے امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں چند اشعار پڑھے، عورتوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں اور باہر لوگ متوجہ ہوگئے اور بیت الشرف کے سامنے اکٹھا ہوگئے۔ اس وقت امام علیہ السلام نے تقیہ کی بنا پر لوگوں کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔[2]

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسمع بن عبد الملک کردین بصری سے گفتگو کے دوران اپنے گھر والوں کے درمیان عزائے امام حسین علیہ السلام برپا کرنے کا حکم دیتے ہیں اس لئے کہ وہ بنی امیہ کے جاسوسوں کی موجودگی میں کربلا حاضر نہیں ہوسکتے تھے۔

---

1 نصوص من تاریخ ابی مخنف، ج۱، ص۵۰

2 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۴

۵۔ مجالس عزامیں خطبہ خوانی

مجالس عزامیں رائج سنتوں میں سے ایک خطبہ خوانی ہے،قیام عاشورا کی اہمیت اور اسلامی اقدار کو زندہ رکھنے میں اس کی تاثیر کی عظیم ذمہ داری معصومین علیہم السلام کے دوش پر تھی۔

پیغام عاشورا کو زندہ رکھنے اور اسے بعد کی نسلوں میں منتقل کرنے کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی اہم سیرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت،حقانیت اور انقلابی تحریک کے دفاع میں خطبات ارشاد فرمانا ہے۔

اس طریقۂ کار کا نمایاں اور کامل نمونہ کوفہ،شام اور مدینہ میں امام زین العابدین علیہ السلام اور جناب زینب علیہا السلام کے خطبوں کی شکل میں موجود ہے۔ ان خطبوں میں تین اہم اور بنیادی موضوعات کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ یزید اور اس کے سپاہیوں کے غیر انسانی سلوک و مظالم کو برملا کرنا

۲۔ امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کو خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے عنوان سے پہچنوانا

۳۔ امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب و انصار کی شہادت کو اہل بیت علیہم السلام کے سب سے بڑے فخر کے عنوان سے روشناس کرنا اور اس انقلابی تحریک کا دفاع کرنا

مجالس عزائے حسینی میں خطبہ خوانی آئمہ معصومین علیہم السلام کے نزدیک خاص مقام و منزلت کی حامل ہے۔

مروی ہے کہ ماہ محرم کے دنوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام سید الشہداء علیہ السلام پر اشک بہاتے تھے،لوگ ادھر ادھر سے آپ کی خدمت میں آتے اور آپ کے ساتھ گریہ و زاری کرتے اور آپ کو تعزیت پیش کرتے اور جب گریہ سے فارغ ہو جاتے تو امام علیہ السلام فرماتے تھے:

اے لوگو! جان لو کہ امام حسین علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں زندہ ہیں اور انھیں رزق عطا ہو رہا ہے،وہ مسلسل اپنے عزاداروں کو دیکھتے اور ان کے اور ان کے والد کے نام اور جنت میں انکے لئے مہیا مقام سے سب سے زیادہ واقف ہیں۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام کا امام حسین علیہ السلام کے زندہ اور گواہ ہونے پر زور دینا ان آیات کی جانب اشارہ ہے جو شہید کے خصوصیات و امتیازات کو بیان کرتی ہیں۔ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۵۔

یہ مسئلہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس بات کی کوشش فرمارہے تھے کہ بنی امیہ نے آئمہ شیعہ منجملہ امام حسین علیہ السلام کے لئے جو زہر آلود ماحول بنایا تھا اور ان حضرات کو سرکش اور ان کے بقول حاکم اسلامی کے خلاف بغاوت کرنے والا بتار کھا تھا، آپ نے مجالس عزا برپا کر کے اور امام حسین علیہ السلام کی شخصیت اور آپ کے قیام کے حقائق

---

[1] منتخب طریحی، ج ۲، ص ۴۸۳

بیان کر کے اس زہریلی فضا کو ختم کر دیا، مسلمانوں کو واقعیات سے واقف بنادیا اور اس کے لئے آپ نے قرآن مجید سے دلیل پیش کی جو سارے مسلمانوں کے لئے قابل اعتماد کتاب ہے۔

۶۔ نوحہ خوانی اور بیان مصائب

امام حسین علیہ السلام کی عزاداری و سوگواری کے انعقاد، قیام عاشورا کی یاد کو زندہ رکھنے کے سلسلہ میں آئمہ معصومین علیہم السلام کے نزدیک رائج طریقوں میں سے ایک نوحہ خوانی اور مصائب کو بیان کرنا ہے جو زیادہ تر اشعار پڑھنے کے ساتھ بہت اچھے انداز میں انجام پاتی تھی۔

آئمہ اطہار علیہم السلام کے زمانہ میں عزاداری بالخصوص عزاداری سید الشہداء علیہ السلام زیادہ تر اشعار کی صورت میں منعقد ہوتی تھی، شیعہ شعراء مراثی کہتے اور پڑھتے تھے، بعض افراد جو خود شاعر نہیں تھے وہ بڑے بڑے شعراء کے اشعار پڑھتے تھے اور انھیں مُنشِد کہاجاتا تھا کہ آج اس کا مترادف لفظ مَدَّاح ہے انھیں افراد میں ابوہارون مکفوف، عبد اللہ بن غالب، جعفر بن عفان اور ابو عمارہ منشد بھی ہیں۔ ابو عمارہ منشد کہتے ہیں:

میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوا تو حضرت نے فرمایا: اے ابو عمارہ! امام حسین علیہ السلام کے رثاء میں کوئی شعر پڑھو۔ جب میں نے مرثیہ کا آغاز کیا تو امام علیہ السلام گریہ فرمانے لگے۔ خدا کی قسم امام علیہ السلام اس قدر روئے کہ گھر بھی آپ کے ہم آواز ہوگیا اور میں نے گھر کے گریہ کو سنا۔[1]

۷۔ گریہ کرنا

امام حسین علیہ السلام پر گریہ محبت کا گریہ ہے کہ جو آپ کے عاشقوں اور محبوں کے دلوں میں ثابت ہے.

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا :انا قتیل العبرة لا یذ کرنی مؤمن الا استعبر ۔[2]

میں کشتہ گریہ ہوں، کوئی مومن مجھے یاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ وہ رو پڑے گا۔

وہ سوز و گداز جو سید الشہداء علیہ السلام کے محبوں کے سوختہ دلوں سے آنکھوں میں سرایت کرتا ہے وہ خاندان وحی و رسالت کے تئیں محبت، اخلاص اور دلدادگی کے درجات و مراتب کو بیان کرتا ہے اور یہ چیز مودت کی بقا اور محبت کے اضافہ میں خاص اثرات کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ امام علیہ السلام کے دشمنوں اور قاتلوں سے مزید نفرت کا باعث اور اس خاندان کے محبوں کی ان کے دشمنوں سے مزید بیزاری کا سبب بنتی ہے۔

---

[1] کامل الزیارات، ص ۱۰۵

[2] امالی شیخ صدوقؒ، ص ۱۱۸

معرفت و آگہی کے ساتھ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا در حقیقت آپ کے قاتلوں سے اعلان نفرت ان کے ظلم و ستم، سماج کے حقوق کی پامالی اور ناحق مسند حکومت پر براجمان ہونے کے خلاف مکمل اظہار بیزاری ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے غم میں آنسو بہانے کے سلسلہ میں اہل بیت علیہم السلام سے متعدد روایات کے ساتھ ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور دیگر آئمہ علیہم السلام کی سیرت بھی پائی جاتی ہے اور غم حسین علیہ السلام میں آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسوؤں کے بہت سے فوائد و ثواب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۸۔ گریبان چاک کرنا اور سر و صورت پیٹنا

باوجودیکہ مصیبت میں صبر و بردباری سے کام لینے کا بہت اجر و ثواب ہے لیکن بعض روایتوں میں سید الشھداء علیہ السلام کے سلسلہ میں ان باتوں کی رعایت نہ کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، خالد بن سدیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

امام حسین بن علی علیہ السلام کے لئے فاطمی خواتین نے گریبان چاک کئے، چہرے پر طمانچے لگائے، ایسی مصیبت پر سر اور چہرہ پیٹنا چاہئے۔

سید ابن طاؤوس نے جناب جابر بن عبد اللہ انصاری کی زیارت کی روایت میں تحریر کیا ہے:

جب امام حسین علیہ السلام کے اہل حرم شام سے عراق پہنچے تو انھوں نے قافلہ کے رہنما سے کہا: ہمیں کربلا سے گزارو۔

جب اہل حرم مقتل میں پہنچے تو جناب جابر بن عبد اللہ انصاری بنی ہاشم کی ایک جماعت اور خاندان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مردوں سے ملاقات کی جو قبر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو آئے تھے۔ خواتین نے گریہ و زاری شروع کر دی اور چہروں پر طمانچے لگانے لگیں اور اس انداز میں عزاداری و نوحہ سرائی کر رہی تھیں کی سن کر جگر پھٹ رہا تھا۔[1]

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے: آپ کی عزاداری و سوگواری اعلیٰ علیین میں منعقد ہوئی اور آپ کے لئے حور العین نے اپنے سر و صورت پیٹے۔[2]

1 لہوف علی قتلی الطفوف، ص۱۹۶

2 بحار الانوار، ج۹۸، ص۲۳۸

امام حسین علیہ السلام کی
عزاداری قرآن واحادیث کی روشنی

نثار احمد

رسول اکرم ﷺ نے ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ضابطہ َحیات کا مطلب ہے کہ دین اسلام میں انسانی زندگی کے متعلق تمام امور کا تذکرہ موجود ہو اور ا امور کو کس طرح انجام دیا جائے اس کا بھی تذکرہ موجود ہو۔اور یہ ہر مسلمان کا ایک مستحکم عقیدہ ہے کہ واقعاً اسلام ہی مکمل ضابطہ َحیات ہے دوسرے ادیان نہیں۔لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز ہو اور اس کا تذکرہ اسلام میں نہ ہو یہ محال ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کس چیز کا نام ہے؟

اسلام دو چیزوں سے مل کر بنا ہے: ایک قرآن یعنی کلام اللہ جو بذریعہ وحی اللہ رب العزت جلّ شانہ کی طرف سے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

دوسرے کلام رسول ﷺ جس کو حدیث مبارکہ کہتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں مذکورہ دونوں چیزوں کو قرآن و حدیث کہا جاتا ہے،اور یہی قرآن و حدیث مکمل ضابطہ حیات ہے،اور اسی کے پیش نظر ارشاد خداوندی ہے "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"(اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے)

اور دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے "وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ"(اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

لہذ خداوند متعال نے اپنی مشیت کے تحت اپنے فرامین کو بروی کار لانے کے لئے ایک احسن نظام وضع کیا ہے وہ یہ ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"(اے مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے) یعنی رسول اسلام ﷺ جو بھی کام خود بنفس نفیس انجام دیں وہ تاقیام قیامت بشریت کے لئے اسوہ قرار پاتا ہے اور یہی کام اللہ رب العزت کو مطلوب ہے۔

اب اگر کوئی رسول معظم ﷺ کے انجام دئے ہوئے فعل کا انکار کرے یا اس کے ساتھ اختلاف کرے تو وہ صریحا خدا اور اس کے رسول کا منکر ہو جاتا ہے اور حلقہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔لہذا یہی بات ذہن نشین کرانی ہے کہ قرآن اور حدیث میں سب

کچھ موجود ہے، یہ ایک الگ بات ہے کہ ہمارا علم و دانش، فہم وادراک ہر چیز کا صحیح معنی و مفہوم درک نہیں کرتا ہے۔ یا بعض امور میں متعصب افراد تعصب کی بنا پر واضح وآشکار دلیل ہونے کے باوجود بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں جو در اصل ان کا قلبی مرض ہوتا ہے جس کا مداوا نہیں۔۔۔ حتی کہ خداوند متعال نے ایسی ذہنیت رکھنے والے افراد کے لئے کلی پیغام دیا ہے "فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً"

عزاداری امام حسینؑ از نظر قرآن وحدیث:

کلام اللہ المجید میں متعدد آیات اشک وگریہ اور عزاداری کے جواز پر حتی کہ عزاداری کے رجحان پر اشارہ کرتی ہیں جیسے: سورہ نساء کی آیت ۱۴۸ میں اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا:

لَّا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيمًا

عزاداری بھی مظلوموں کے لئے ستمگروں کے خلاف فریاد بلند کرنا ہے۔ بلکہ سورہ حج کی آیت 23 کے مطابق خدا کی نشانیوں میں سے ایک جو دل کی پرہیزگاری کا سبب بنتا ہے۔ ذٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ:

اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی

اہل بیت علیہم السلام پر اشک وگریہ اور عزاداری کرنا دینی نشانیوں کی تعظیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند جناب یوسف علیہ السلام کے فراق میں ۷۰ سال تک گریہ کیا یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی جاتی رہی: وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَى عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ[1]۔:

اور کہا کہ افسوس ہے یوسف کے حال پر اور اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں اور غم کے گھونٹ پیتے رہے۔

نبی خدا حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس عمل کی خداوند عالم نے تائید کی ہے، توپھر کس تفکر کے تحت اہلبیت علیہم السلام جو کہ تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ اور تمام مخلوقات کا خلاصہ ہیں ان کے فراق میں عزاداری کرنا اور اشک بہانا کونسا اشکال رکھتا ہے؟

اس آیہ شریفہ سے بھی جواز گریہ و زاری واضح ہے قرآن کریم نے صاف اعلان کردیا کہ منحوس افراد پر نہ آسمان گریہ کرتا ہے نہ زمین تو اس سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اگر حبیب خدا، اولیاء اللہ، وجہ تخلیق کائینات نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو تو آسمان و زمین اللہ کی اطاعت و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے گریہ کرتا ہے۔ لہذا ہم اللہ کے مطیع محض ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں مظلوم عالم پر عزاداری کرکے سنن انبیاء کی تعظیم بجالاتے ہیں۔

پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریہ:

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ابراہیمؑ تھا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت ۸۴

ابن شہر آشوب نے کتاب مناقب آل ابی طالب میں ابن عباس سے نقل کیا ہے: ایک روز رسول اللہ اپنے دامن میں اپنے فرزند ابراہیمؑ اور امام حسینؑ کو لئے بیٹھے تھے اس دوران جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: خدا تم پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے: ان دونوں کو اکٹھا نہیں رکھوں گا پس ایک کو دوسرے پر فدا کرو۔ رسول خدا نے امام حسین کا انتخاب کیا۔ اس کے تین روز بعد ابراہیمؑ کی وفات ہو گئی۔

پیغمبر ﷺ پر ابراہیمؑ کی وفات کا صدمہ بہت گراں گزرا

ایک روایت میں یوں آیا ہے: اے پہاڑ! جو میرے ساتھ پیش آیا ہے اگر وہ تیرے ساتھ پیش آتا تو تو ریزہ ریزہ ہو جاتا۔[1]

ابراہیمؑ کی وفات نے آپ کو بہت غمناک کیا۔ آپ نے گریہ کیا۔ بعض کے اعتراض کے جواب میں فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَفْجَعُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ مَا يُسْخِطُ الرَّبَّ وَاللَّهِ يَا إِبْرَاهِيمُ إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ.

میں بھی انسان ہوں، آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے۔ واللہ! اپنے رب کو ناراض کرنے والی بات نہیں کرونگا۔ اے ابراہیم! خدا کی قسم تمہاری موت کی وجہ سے غمگین ہوں۔

عزاداری اور گریہ وزاری انسانی فطرت ہے:

اللہ کی ایک سنت جو انسان کے اندر ایک فطری اور ذاتی پہلو رکھتی ہے، وہ ہے کسی اچھے یا برے حادثے کے رونما ہونے کے بعد انسان کا روحی اور روانی ردعمل کہ جب انسان کسی خبر کو سنتا ہے یا کوئی غیر متوقع صورتحال پیش آتی ہے تو اس کے اندر ایک احساساتی تحریک اور متناسب ردعمل دیکھنے میں آتا ہے۔

یہ کیفیت انسان کے اندر مصائب و آلام سے ملنے والے تلخ حادثات کے سبب وجود میں آتی ہے جس کا ردعمل انسان گریہ و اشک بارانی اور افسوس کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔

بالکل اسی طریقہ سے کہ جب انسان کسی خوشگوار حادثہ سے یا کسی خوش حال کرنے والی خبر سے روبرو ہوتا ہے تو اپنی باطنی کیفیت کو خوش ہو کر اظہار کرتا ہے۔

ہم یہاں پر پیغمبر اکرم ﷺ کے گریہ کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں روایات اتنی زیادہ ہیں کہ جن کو اس مختصر سے مقالہ میں جمع نہیں کیا جاسکتا، لہذا ہم بطور نمونہ صرف چند روایات کو اہل سنت کی معتبر کتابوں سے نقل کریں گے۔

شمس الدین ذہبی، جو اہل سنت کے علمی ستونوں میں شمار ہوتے ہیں، کتاب تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

---

[1] طبقات الکبری، ج۱، ص ۱۱۴

"وقال عمارة بن زاذان ثنا ثابت عن أنس قال استأذن ملك القطر على النبى صلى الله عليه وسلم فى يوم أم سلمة فقال يا أم سلمة احفظى علينا الباب لا يدخل علينا أحد فبينا هى على الباب إذ جاء الحسين فاقتحم الباب ودخل فجعل يتوثب على ظهر النبى صلى الله عليه وسلم فجعل النبى صلى الله عليه وسلم يلثمه فقال الملك أتحبه قال نعم قال فإن أمتك ستقتله إن شئت أريتك المكان الذى يقتل فيه قال نعم فجاءه بسهلة أو تراب أحمر قال ثابت فكنا نقول إنها كربلاء"۔

عمارہ بن زاذان کہتے ہیں کہ ثابت نے انس سے نقل کیا ہے کہ بارش کے فرشتہ نے ایک دن (جس دن آپ ﷺ ام سلمہ کے گھر میں تھے) پیغمبر ﷺ سے ملنے کی اجازت چاہی تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ، خیال رکھنا کوئی میرے پاس نہ آنے پائے اسی وقت امام حسین علیہ السلام آئے اور اصرار کر کے حجرہ میں داخل ہوگئے اور پشت رسول ﷺ پر چڑھ گئے، پیغمبر ﷺ نے حسین علیہ السلام کو پیار کیا؛ اس کے بعد بارش کے فرشتے نے کہا: کیا آپ اس کو چاہتے ہیں؟

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس نے کہا: یقینا آپ کے بعد آپ کی امت اس کو قتل کردے گی۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ان کی جائے شہادت دکھا سکتا ہوں۔ پیغمبر ﷺ نے اس کو قبول کر لیا پس وہ فرشتہ پیغمبر ﷺ کو ایک ٹیلہ یا سرخ خاک کے پاس لے آیا۔

پیغمبر اکرام ﷺ نے خود اپنی زندگی میں حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا کیونکہ آنحضرت ﷺ باخبر تھے کہ دشمن آل رسول ﷺ یہ وسوسہ ڈالیں گے جس سے بہت سے لوگ تذبذب کا شکار ہو سکتے ہیں لہذا روز قیامت تک یہ سنت قائم کر دی کہ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور یہ سنت و سیرت شہادت امام حسین ﷺ کے بعد حق و باطل کی میزان بن گئی جس سے باطل ہمیشہ خوف کھاتا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ صدائے حق خاموش ہو جائے تاکہ نور خدا سے بشریت کو محروم کر دیا جائے لیکن یہ وعدہ خدا ہے کہ وہ اپنے نور کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گا اگرچہ کافروں کو گوارہ نہ ہو عزاداری اسلام و مؤمنین کی شہہ رگ حیات ہے اور دین کی آبیاری کے لئے ایک ولولہ ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ بھی ہے:

إِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ حَرَارَةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَبْرُدُ أَبَداً شہادت امام حسینؑ کی وجہ سے مؤمنین کے دلوں میں ایسی حرارت ہے جو کبھی ٹھنڈی نہیں ہوگی۔

حکمت عزاداری

محمد تقی رضا

عزاداری اور امام حسین علیہ السلام پر رونا بے شک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام سے محبت کا اظہار ہے، اور یہ عزاداری و سوگواری بے شک شعائر الہی کی تعظیم ہے۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی عزاداری پر روایات میں بھی بہت تاکید کی گئی ہے لیکن ان روایتوں میں غور اور دقت کرنے کے بعد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عزاداری پر اتنی تاکید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزاداری کا ہدف اور مقصد صرف محبت اہل بیت علیہم السلام رکھنا نہیں ہے بلکہ اس سے کافی بڑا ہے۔

اب اس کو سمجھنے کے لئے کہ آخر امام حسین علیہ السلام کی عزاداری پر اتنی تاکید کیوں کی گئی ہے؟، آخر آپؑ کی شہادت میں کونسی حکمت پوشیدہ ہے۔ جو آپؑ کی شہادت کی حکمت ہوگی وہی عزاداری کی بھی حکمت قرار پائے گی۔

امام حسین علیہ السلام کے قیام کا اصلی ہدف اور ٹارگیٹ جہالت اور نادانی سے مقابلہ اور مبارزہ تھا جیسے کہ امام صادق علیہ السلام اپنی دعا میں خداوند متعال سے کہتے ہیں:

«وبذل مهجته فيك ليستنقذ عبادك من الجهالة وحيرة الضلالة»[1]

اور انہوں (امام حسین علیہ السلام نے) اپنا خون تیری راہ میں بہایا تاکہ لوگوں کو جہالت اور گمراہی کی سرگردانی سے نجات دے۔

یعنی امام حسین علیہ السلام کا ٹارگیٹ جہل کو ختم کرنا تھا جیسے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی ہدف تھا، جب عصر جاہلیت میں جہل کی ماری لڑکیوں کو زندہ زندہ دفن کیا جاتا تھا، غلاظتیں اور حرام چیزیں کھائی جاتی تھیں، برے کام ہورہے تھے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہل سے مبارزہ کرنے کا پرچم اٹھایا اور تبلیغ رسالت کے سایہ میں نادانی سے مقابلہ کیا۔ سبھی پیغمبروں کا یہی ہدف تھا، یہی ٹارگیٹ امام حسین علیہ السلام کا بھی تھا جیسے کہ خود آپؑ نے اپنے قیام کے ہدف کو اپنے اس کلام میں ظاہر کیا:

«إني لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما وإنما خرجت لطلب الاصلاح في امة جدي اريد ان آمر بالمعروف وأنهى عن المنكر وأسير بسيرة جدي وابي علي بن ابي طالب»[2]

میں نے کسب مقام و منزلت کے لئے قیام نہیں کیا اور نہ ہویٰ وہوس سے قیام کیا ہے اور نہ میں فساد پھیلانے والا ہوں اور نہ ظلم کرنے والا، بے شک میں امت کی اصلاح کے لئے قیام کر رہا ہوں میں چاہتا ہوں امر بالمعروف کروں، نہی عن المنکر کروں اور

---

[1] تہذیب الاحکام، ج۶، ص ۱۱۳.

[2] امام حسین علیہ السلام کی وصیت اپنے بھائی محمد حنفیہ کے لیے

اپنے جد اور بابا علیؑ بن ابی طالبؑ کی سیرت پر عمل کروں۔ سرکار سید الشہداء علیہ السلام کے بیان سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ معاشرے میں جہل کی وجہ سے فساد تھا،ظلم تھا،لوگ جہل کی وجہ سے نیکیوں کو چھوڑ رہے تھے اور برائیوں کی طرف جارہے تھے اسی لئے امام علیہ السلام فرماتے ہیں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں،لوگ سیرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ اور سیرت سید الاوصیاء علی مرتضیٰؑ کو چھوڑ کر جہل و نادانی میں مبتلا ہوگئے تھے اسی لئے اسلام پر عمل نہیں ہورہا تھا۔ اسی دوران امام حسین علیہ السلام اصلاح امت اور معاشرے کو جہل اور نادانی سے نجات دینے کے لئے قیام کرتے ہیں اور خدا کے راستے پر اپنا خون بہاتے ہیں، جب امام حسین علیہ السلام کا ہدف یہ ہوگا تو عزاداری کا ہدف بھی یہی ہونا چاہیے یعنی ہماری عزاداری کا مقصد پیغمبر ﷺ اور ان کے عترت سے اظہار محبت کے علاوہ جہل کو مٹانا ہونا چاہیے۔

ہم کو چاہیے کہ عزاداری کے سایہ میں خود کو اور دوسروں کو جہالت سے نجات دیں

جہالت مختلف جہات سے قابل تصور ہے مثلا: ہم اگر خدا کے بارے میں نہیں جانتے ہیں تو جاہل ہیں ہم اگر پیغمبر ﷺ کے بارے میں، اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں، قرآن کے بارے میں، احکام شرعیہ کے بارے میں، اخلاق اسلامی کے بارے میں، معارف اسلامی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو ہم جاہل ہیں۔ اگر کوئی غیر مسلم ہم سے کہنے لگے کہ آپ اپنے خدا کے بارے میں، قرآن کے بارے میں، اپنے اسلام کے بارے میں، اپنے معارف کے بارے میں ایک گھنٹہ نہیں بلکہ بیس منٹ بولیے اور ان کو پہچنوائیے، کیا ہم بول سکتے ہیں؟! ہم جہالت کے شکار ہیں جو خدا کے اوصاف کے بارے میں، فلسفۂ نبوت کے بارے میں، اثبات امامت کے بارے میں، اعجاز قرآن کے بارے میں، معلومات نہیں رکھتے، جو احکام اسلامی پر عمل نہیں کرتے اور ہماری شادیوں میں بے پردگی پائی جاتی ہے۔ ہم جہالت میں مبتلا ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ اگر ہم نے نماز نہیں پڑھی ہمارا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا۔ کیا یہ نادانی اور جہالت میں مبتلا ہونا نہیں ہے ہم سوچتے ہیں چاہے جو کریں مولا پر رونا ہم کو بخشوا دے گا جبکہ ہم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

«لَیسَ مِن شِیعَتِنا مَن قالَ بِلِسانِهِ وخالَفَنا فی أعمالِنا وآثارِنا»[1]

ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہیں جو زبان سے کہتا ہے ہمارا شیعہ ہے لیکن اپنے عمل اور کردار سے ہماری مخالفت کرتا ہے۔

اور چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں

«اِنَّ اَبْغَضَ النّاسِ اِلَی اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ مَنْ یَقْتَدی بِسُنَّةِ اِمامٍ وَلا یَقْتَدی بِاَعمالِهِ»[2]

---

[1] مجلسی بحار الأنوار:13/164/68

[2] کلینی، الکافی، ج8، ص234.]

مبغوض ترین شخص، خداوند متعال کے نزدیک وہ ہے جو یہ ادعا تو کرتا ہے کہ امام کا پیروکار ہے لیکن اس کی اقتداء نہیں کرتا، اور اسی طرح ہم جہالت، عدم یقین یا بہت سی بے عملی میں گرفتار ہیں مثلاً: خمس کا ادا نہ کرنا یا عدم پرداخت زکوۃ جبکہ اگر کوئی خمس نہ دے تو وہ اپنے مال کا شرعی طور پر استعمال نہیں کر سکتا۔

ان تمام چیزوں کے باوجود ہم کیسے خود کو مسلمان کہہ سکتے ہیں جب کہ اسلام کے قوانین اور دستورات پر عمل نہیں کرتے۔

جب ہم ہر سال مجلسیں برپا کرتے ہیں تو ان مجلسوں کا اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہماری جہالتیں کم ہوں اور ہمارے علم اور عمل میں اضافہ ہو۔

جب ہماری مجلسوں میں علمی باتوں کی جگہ نعرہ بازی، دوسروں پر طنز کشی ہوگی تو مجلسوں کی کثرت بھی ہماری جہالت اور بے دینی کو ختم نہیں کر سکتی بلکہ اس صورت میں وہ بھی محض رسم و رواج بن کر رہ جائیں گی۔

ہم نے نہ تنہا صحیح طور پر عزاداری نہیں کی بلکہ ایک طرف مجالس میں اپنی من مانی کی تو دوسری طرف خطیبوں نے مناقب و مصائب اہل بیتؑ میں غلط بیانی سے کام لیا جس کی وجہ سے اسلام اور مذہب تشیع کو نقصان پہنچا جس کے نتیجہ میں ہم نے اپنے مولا کے ہدف (احیائے دین) کو بھلا دیا۔

جبکہ سید الشہداء علیہ السلام نے خدا، رسول اور اہل بیتؑ کی معرفت اور قرآن کو پہچنوانے کے لئے، احکام اسلامی پر عمل کروانے کے لئے قیام کیا تھا لیکن ہم نے نہ خدا کو پہچانا نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ اہل بیت علیہم السلام کو نہ قرآن کو پہچانا اور نہ اسلام کے احکام پر عمل کیا لہذا ہم کیسے ایک عزادار ہو سکتے ہیں!!۔

اگر ہم چاہتے ہیں ایک حقیقی عزادار بنیں تو سب سے پہلے اپنی جہالت کو مٹائیں، اسلام پر عمل کریں اور پیغمبر اور ان کے اہل بیت سے محبت کریں۔

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنا خون کیوں بہایا۔ ہم نے کربلا کے بارے میں بہت سی باتیں سنیں ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے اندر کربلا والوں کا جذبہ کیوں نہیں پیدا ہوتا جس کی وجہ سے ہم ظلم کے خلاف آواز اٹھا سکیں؟!

ہمیں چاہیے کہ صحیح علماء کو منبروں پر لائیں، جو ہم کو خداوند متعال اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اماموں کی معرفت حاصل کرائیں، کربلا کے اہداف سے آشنا کرائیں تاکہ زمانے کے فتنوں اور خطرات میں مار نہ کھائیں

آخر میں خداوند متعال سے دعا گو ہیں کہ وہ ہم سب کو شہدائے کربلا کے حقیقی عزاداروں میں سے قرار دے۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام

انسانی وحدت کا بہترین نمونہ

سید علی ہاشم عابدی

ذات واجب یعنی واجب الوجود فقط پروردگار ہے اس کے علاوہ جو بھی ہیں وہ سب کے سب ممکن الوجود ہیں، چاہے وہ زمین ہو یا آسمان، سورج، چاند ہوں یا ستارے، جمادات ہوں یا نباتات، حیوان ہوں یا انسان، انسانوں میں نبی، امام جیسے معصوم ہوں یا ہمارے جیسے گناہگار، سب کا خالق وہی پروردگار ہے۔

اللہ نے انسان کو پیدا کر کے لاوارث نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے ہدایت کے لئے معصوم رہنما بھیجے کبھی وہ رہبر نبی و رسول کی شکل میں تھے تو کبھی وہ امام کی شکل میں آئے، اس نے ہدایت پانے والوں کو بعد میں بھیجا پہلے ہدایت دینے والے کو بھیجا، کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جب انسانی ہدایت کے لئے کوئی ہادی و رہبر نہ ہو، معصوم رہبر چاہے وہ نبی و رسول ہوں یا امام چونکہ سب اللہ کی جانب سے آئے تھے لہذا سب کا دین و آئین بھی ایک ہی رہا، حالات کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق شریعتیں بدلتی رہیں لیکن سب کا دین ایک ہی تھا اور وہ دین اسلام ہے۔

فطرت سے تعلق ہی دین اسلام کا خاصہ رہا ہے، لہذا جو چیز انسان بعض اوقات دلیلوں سے نہیں سمجھ سکا تو فطرت نے اس جانب اسکی رہنمائی کی، جیسا کہ روایت میں ہے کہ ایک دہریہ صادق آل محمد امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے وجود خدا پر دلیل مانگی، امام جعفر صادق علیہ السلام نے وجود خدا پر کوئی دلیل دینے کے بجائے خود اس سے ایسا سوال کیا جس نے اسکی فطرت کو اکسایا اور وجدان کو جھنجوڑ دیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کیا تم نے کبھی دریا کا سفر کیا؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے دریا کا سفر کیا ہے آپؑ نے پوچھا: کیا کبھی ایسا ہوا کہ تیری کشتی طوفان کا شکار ہو گئی اور ہر جانب سے تیری امیدیں ٹوٹ گئیں ہوں لیکن اس وقت بھی تیرے دل میں امید کی ایک کرن موجود تھی کہ تجھے اس خطرے سے نجات مل سکتی ہے۔ اس نے کہا: بالکل ایسا ہوا ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ناامیدی میں اسی امید کو خدا کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وجود خدا کے سلسلہ میں جہاں بہت سے دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہیں ان میں سے ایک "برہان فطرت" بھی ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی وہ کوئی اچھی اور خوبصورت چیز دیکھتا ہے تو اس کی جانب کھنچتا ہے اور جب کوئی برائی دیکھتا ہے تو اس سے دوری اختیار کرتا ہے۔ ان مفاہیم کے اثبات میں دلائل و براہان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں

مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جیسے ، تیزی سے جارہے تھے کہ اچانک خود بخود قدم چند لمحات کے لئے رک گئے اور انسان گہری سانسیں لینے لگا، اگر پوچھا جائے کہ کیوں ایسا کیا تو جواب ملا کہ یہاں گلستان ہے جہاں سے پھولوں کی خوشبو آرہی ہے۔

اسی طرح انسان انتہائی وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہا تھا کہ اچانک خود بخود قدم تیز ہوگئے تو پتہ چلا کہ یہاں بدبو آرہی تھی لہذا یہاں سے جلدی گذر جانے میں ہی بھلائی سمجھی۔

مذکورہ دلیل سے واضح ہوگیا کہ اچھائی کی جانب قدم بڑھانا اور برائی سے دوری اختیار کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے،اسی طرح یہ بھی واضح رہے کہ اسلام کے جتنے بھی احکام و قوانین ہیں انکا تعلق انسان کی فطرت سے ہے اور اسلام کے جتنے بھی ہادی و رہبر آئے سب نے انسانیت کو جو تعلیم دی ان کا بھی تعلق انسان کی فطرت سے تھا۔ لہذا دشمنوں کی تمام تر مخالفتوں کے باوجود ہر آزاد فکر نے ان کی حمایت کی اور ان کی تعلیمات کو قبول کیا اگرچہ ان کی تعداد ہمیشہ کم رہی۔

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ امن و سکون کو پسند کرتا ہے، بے چینی اور فساد سے دور رہتا ہے، انسان فطرتاً غرور و گھمنڈ، ظلم و ستم، فتنہ و فساد، قتل و خونریزی کو ناپسند کرتا ہے اور اصلاح کو پسند کرتا ہے۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر یہ بات سچ ہے تو قتل ہابیل سے آج تک زمین پر ظلم و ستم، غرور و گھمنڈ، قتل و خونریزی اور نہ جانے کتنے گناہ و برائی کرنے والا یہی انسان ہے۔ بلکہ اسی انسان کے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد سے تاریخ انسانیت کے اوراق سیاہ ہیں اور جس انسان کو اللہ نے اشرف مخلوق بنا کر بھیجا تھا اس میں اکثریت چوپایوں سے بدتر ہے؟ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اکثریت نے قانون فطرت کی مخالفت کرتے ہوئے انسانی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن جب بھی توفیق الہی شامل حال ہوئی اور فطرت نے ضمیر کو جھنجوڑا تو ہدایت ان کا نصیب اور صراط مستقیم ان کا مقدر بن گیا۔

اگرچہ ہر الہی رہبر و رہنما کی روش ایک ہی تھی، ایسا قطعاً نہیں ہے کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی سیرت میں کبھی کوئی اختلاف رہا ہو لیکن حالات اور زمانے کے تقاضوں کے پیش نظر ہر ایک نے اسی کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا کہ اگر امام حسن علیہ السلام نے صلح کی تو حالات اور زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق تھی کہ اگر اس وقت ان کے بجائے امام حسین علیہ السلام یا کوئی اور امام ہوتے تو وہ بھی صلح ہی فرماتے۔ اسی طرح اگر امام حسین علیہ السلام کا جہاد بھی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق تھا کہ اگر کوئی اور امام ہوتے تو وہ بھی جہاد ہی فرماتے۔

چونکہ امام حسین علیہ السلام کے زمانے کے حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ آپؑ کھل کر جہاد کریں اور قدم قدم پر اپنے مقدس مقصد سے لوگوں کو آگاہ کریں اور آپؑ نے ایسا کیا بھی، نظام قدرت بھی کچھ اس طرح رہا کہ تاریخ آدم و عالم کے اس عظیم واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھا جائے بلکہ قدرت نے اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی اس کا اہتمام کیا، انبیاء و مرسلین علیہم السلام خود سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت اور فتح و ظفر کی بشارت دی گئی۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر واقعہ کربلا کی یاد نہ صرف شیعہ بلکہ غیر شیعہ بلکہ غیر مسلم کیوں مناتے ہیں، جب کہ امام حسین علیہ السلام رسول اسلام کے نواسے اور ہم شیعوں کے تیسرے امام ہیں۔ پھر کیوں بلا تفریق مذہب و ملت ہر آزاد فکر انسان امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں شریک ہوتا ہے؟

اگر آپ نے مذکورہ مطالب پر غور کیا ہوگا تو آپ کے لئے واضح ہو چکا ہوگا کہ جس چیز کا تعلق انسان کی فطرت سے ہوتا ہے تو دین و مذہب اور ملک و ملت کی دیواریں اسے ماننے سے نہیں روک پاتی ہیں۔ جیسے موت و حیات کہ اسے بلا تفریق دین و مذہب اور ملک ملت ہر انسان مانتا ہے بلکہ جو خالق موت و حیات کا منکر ہے وہ بھی موت و حیات پر عقیدہ رکھتا ہے۔

اسی طرح دنیا کی دیگر تمام اچھائیاں اور برائیاں ہیں کہ ہر انسان اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھتا ہے۔

شہید انسانیت امام حسین علیہ السلام کا جہاد بھی انسانی فطرت سے متعلق تھا، اگر ہم مدینہ سے کربلا تک جہاد حسینی اور کربلا سے مدینہ تک اس کے تحفظ میں ہونے والے جہاد زینبی پر غور کریں تو قدم قدم پر ایسے کلمات آپؑ کی زبان پر جاری ہوئے اور آپؑ نے ایسے اقدامات کئے جو آج بھی انسانی ضمیروں کو جھنجوڑ دیتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے جب یزید ملعون کی بیعت سے انکار کی وجہ بتائی تو فرمایا:

”و یزید رجل فاسق شارب الخمر ، قاتل نفس المحرمه و معلن بالفسق و مثلی لا یبائع مثله“ اور یزید فاسق و گناہگار انسان ہے، شراب پیتا ہے، نفس محترم کا قاتل ہے، کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور مجھ (حسینؑ) جیسا اس (یزید) جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔

غور فرمائیں یہاں امام عالی مقام نے بیعت یزید کے انکار میں جو وجہ بیان کی ہے اس میں یزید کے ان عیوب کو بیان کیا کہ انسانی فطرت جنہیں ناپسند کرتی ہیں کہ انسان فطرتاً فسق و فجور، شراب، قتل و غارت اور برائیوں سے نفرت کرتا ہے۔

مدینہ سے نکلتے وقت جب آپؑ نے اپنے بھائی جناب محمد حنفیہ کو وصیت فرمائیں تو فرمایا:

“انی لم اخرج اشرا ، ولا بطرا ، ولا مفسدا ، ولا ظالما ، انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی“

میں نے ہوا و ہوس کی وجہ سے قیام نہیں کیا اور دوسروں پر ظلم و فساد کا ارادہ بھی نہیں ہے (اور دنیا کے عہدوں، مقام اور مال دنیا کو بھی پسند نہیں کرتا) بلکہ میں نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لئے قیام کیا ہے۔

اس منزل پر امام عالی مقام نے اپنی زبان مبارک پر وہ کلمات جاری کئے جن کا تعلق بھی انسان کی فطرت سے ہے کہ ہر انسان صلح و آشتی کرنے والے کو پسند کرتا ہے اور غرور و تکبر اور ظلم و فساد کرنے والے سے نفرت کرتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

“الا ترون إلی الحق لا یعمل به، والی الباطل لا یتناهی عنه“

کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے روکا نہیں جا رہا ہے۔

امام عالی مقام کے ان کلمات کا تعلق بھی انسانی فطرت سے ہے کہ ہر زمانے میں ہر انسان کی یہی خواہش رہی کہ حق پر عمل ہو اور باطل سے روکا جائے۔

صرف زبانی ہی نہیں بلکہ امام عالی مقام نے اس منزل پر وہ عملی نمونہ پیش کیا جس کی دنیا میں مثال لاپانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر تحریک چلانے والا جب لوگوں کو اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے تو اسے اس تحریک کی کامیابی کی صورت میں ملنے والے فوائد کی بشارت دیتا ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف امام حسین علیہ السلام نے کسی کو دنیوی فوائد کی بشارت نہیں دی بلکہ جو بھی آیا اسے موت کی یقین دہانی کرائی۔ دنیا میں جب کوئی تحریک چلتی ہے تو تحریک چلانے والے افراد اپنے لشکر کی سیاہی کی بڑھانے کے لئے جو بھی آئے اور چاہے جس مقصد سے آئے اسے شامل کر لیتے ہیں، لیکن امام حسین علیہ السلام نے ایسے ہر ایک کو شامل نہیں کیا، جنکی گردنوں پر بندگان خدا کے حقوق تھے انہیں اپنی تحریک سے دور رکھا بلکہ شب عاشور بیعت اٹھالی کہ اگر کوئی جانا چاہے تو چلا جائے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دنیا میں جو تحریکیں چلتی ہیں خطرات کے مواقع پر اپنے گھر والوں خصوصاً بھائیوں اور بیٹوں کو دور رکھا جاتا، خاص کر گھر کی خواتین کو شامل نہیں کیا جاتا ہے وہ بھی جب خطرات کی زد میں ان کا آنا یقینی ہو جائے تو لوگ کسی بہانے سے دور کر دیتے ہیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنی تحریک میں گھر والوں، بھائیوں اور بیٹوں کو بھی شامل کیا بلکہ جب صبح عاشور دشمن نے حملہ شروع کیا تو آپؑ نے اپنے فرزند جناب علی اکبر علیہ السلام کو حکم دیا کہ آگے بڑھو۔

انسان جب کوئی تحریک چلاتا ہے تو تحریکی امور میں مصروفیت کے سبب بعض اوقات انسان بعض ایسے احکام سے غافل ہو جاتا ہے جن کی پابندی تحریک کے مقاصد میں اولیت رکھتی ہیں مثلاً اول وقت نماز سے غفلت، تلاوت اور دعا سے غافل ہو جاتا ہے۔

اگر چہ تحریک کا مقصد ہی مذکورہ امور کی ادائیگی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف جب ہم امام حسین علیہ السلام کی تحریک پر نظر کرتے ہیں تو ہر مقام پر نماز، تلاوت قرآن اور دعا و مناجات جیسے تحریک کے اہم مقاصد نظر آتے ہیں، صبح عاشور اپنے فرزند حضرت علی اکبر علیہ السلام سے اذان کہلوائی، عین جنگ کے دوران نماز ظہر کی ادائیگی اور رخصت آخر کے وقت شریکہ مقصد بہن سے نماز شب میں دعا میں یاد رکھنے کی وصیت بتاتی ہے اور انسان کے ضمیر اور فطرت کو آگاہ کرتی ہے کہ تحریک کربلا کے سربراہ امام حسین علیہ السلام کے نزدیک جتنی اہمیت تحریکی امور کو حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے مقاصد کو اہمیت حاصل ہے اور جب اس نکتہ کی جانب انسان متوجہ ہوتا ہے تو اس کے لئے واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام وہ عظیم رہنما ہیں کہ جن کے نزدیک ہر قدم پر مقصد کو اہمیت حاصل ہے۔

واقعہ کربلامیں آخری وقت سب سے نمایاں پیغام جو امام حسین علیہ السلام نے رہتی دنیا تک انسانیت کو دیا وہ یہ ہے کہ جب مجروح ہوکر زین سے زمین پر تشریف لائے تو فوج یزید خیام حسینی کی جانب بڑھی تو آپؑ نے انکو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"إن لَم یَکُن لَکُم دینٌ و کُنتُم لا تخافونَ المَعادَ فکونوا آحرارا فی دُنیا کُم"

اگر تم لوگوں کے پاس دین نہیں ہے اور روز قیامت کا خوف نہیں ہے تو کم از کم اپنی دنیامیں آزاد رہو۔ یعنی انسان چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو، خدا کو مانے یا نہ مانے، قیامت کا خوف نہیں ہے تو کم از کم دنیامیں آزاد ہو اور آزادی کا تقاضہ یہ ہے کہ خواتین اور بچوں پر ظلم نہ کرے اور نہتوں پر حملہ نہ کرے۔

ایک آزاد فکر انسان جب تاریخ کربلا کا مطالعہ کرتا ہے اور مذکورہ نکات اور اس جیسے دیگر انسانیت ساز نکات پر اس کی نظر پڑتی ہے تو وہ بلا تفریق دین ومذہب اور ملک وملت امام حسین علیہ السلام کو اپنا مقتدیٰ اور رہبر مان لیتا ہے اور اس کے لئے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر انسانیت کو نجات مل سکتی اور ملک و قوم میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے تو یہ صرف امام حسین علیہ السلام کی اقتدا کر کے ہی ممکن ہے، جیسا کہ بابائے قوم جناب مہاتما گاندھی نے بیان فرمایا تھا کہ "اگر ہندوستان کو آزادی مل سکتی ہے تو راہ امام حسینؑ پر چل کر ہی ممکن ہے۔"

صرف بابائے قوم مہاتما گاندھی ہی نہیں بلکہ واقعہ کربلا کے بعد سے دنیا کے جس ملک میں بھی آزادی کی تحریک چلی، تحریک چلانے والے نے چاہے وہ کسی ملک وملت کا ہو، کسی بھی رنگ و نسل کا ہو، کسی بھی دین مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اس نے امام حسین علیہ السلام کو ہی اپنا رہبر و قائد بتایا۔

جس طرح مذکورہ اسباب کے سبب لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو انسانیت کا رہبر اور قائد مانا اسی طرح انکی یاد منانے اور عزاداری کرنے کو خراج عقیدت سمجھا۔ اگرچہ مذکورہ اسباب کے علاوہ دعاؤں کی قبولیت اور مشکلات سے نجات بھی عزادری میں شرکت کا ایک سبب ہے اور بعض اوقات بعض کرامات نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلمانوں کو بھی عزاداری کی جانب جذب کیا ہے، جیسا کہ عارف باللہ سالک الی اللہ آیۃ اللہ العظمیٰ محمد تقی بہجت رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے واقعہ بیان فرمایا: ہندوستان میں ایک ہندو جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں شرکت کرتا تھا، مظلوم کربلا کی یاد میں سینہ زنی کرتا تھا، جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کی قوم والوں نے اپنی رسم کے مطابق اسے جلایا، اس کا پورا جسم جل کر راکھ ہو گیا لیکن سینہ اور ہاتھ کہ جس سے وہ ماتم کرتا تھا نہیں جلا تو یہ دیکھ کر سب کو بہت تعجب ہوا اور یہ کہا گیا کہ جسم کا وہ حصہ جو امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں استعمال ہوا اسے آگ نہیں جلا پائی، لہذا اس کو جلانے کے بجائے دفن کر دیا جائے۔

آج ہم خود وطن عزیز ہندوستان میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام میں وہ لوگ بھی شرکت کرتے ہیں جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ ہی اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ عزاداری کا تعلق انسان کی فطرت سے ہے کہ وہ ظالم سے نفرت کرے اور مظلوم سے ہمدردی کرے۔

عزاداری امام حسین علیہ السلام انسانی وحدت کا بہترین نمونہ ہے لہذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم منبروں سے خالص پیغام حسینی کو دنیا کے سامنے پیش کریں، جیسا کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ”جب لوگ ہمارے کلام کے محاسن کو جان لیں گے تو ہماری اتباع کریں گے۔“ عزاداری میں ہمیں اپنی انا، اپنی ذات، اپنی خواہشات کو پامال کرتے ہوئے عزاداری کا جو مقصد ہے اسے بیان کرنا ہو گا تاکہ یہ انسانی وحدت ایمانی وحدت میں تبدیل ہو سکے۔

بارگاہ معبود میں دعا ہے کہ وہ ہمیں امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عزاداری اور تربیت نفس

ظہور مہدی القمی

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابو عبد اللہ حضرت امام حسین علیہ الصلوۃ والسلام کی عزاداری بہت سے اہداف و مقاصد، جہات و ابعاد اور آثار و برکات کی حامل ہے، لیکن ان سب کو بیان کرنا، سر دست اس مقالہ کا مقصد نہیں ہے، بلکہ یہاں تو فقط یہ بیان کرنا ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام تربیت نفس اور خود سازی میں کیا رول ادا کرتی ہے، یا اس کے سائے میں انسانی نفس کی تربیت کے کس قدر عظیم مواقع فراہم ہوتے ہیں، کہ جن سے فائدہ اٹھا کر انسان واقعاً اپنے نفس کو پاکیزگی سے آراستہ کر کے دنیا و آخرت کی سعادت و خوشبختی حاصل کر سکتا ہے۔

تربیت نفس کی ضرورت:

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر تربیت نفس اور خود سازی کی کیا ضرورت ہے، جب کہ اللہ عزو جل نے انسان کو کامل و عاقل پیدا کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خلاق کائنات نے انسانی وجود کو الٰہی و دینی ہدایات و کمالات اور دیگر ضروریات و احتیاجات کے حصول و قبول کی قوت و صلاحیت کے لحاظ سے کامل و قابل پیدا کیا ہے، لیکن اسے ان ہدایات و کمالات سے اپنے نفس کو آراستہ کرنے یا زندگی کی دیگر ضروریات کو پانے کے لئے یقیناً حتی المقدور سعی و کوشش کرنی ہوگی، چونکہ قرآنی، فطری اور عقلی قانون ہے، کہ انسان کو جو بھی حاصل ہوگا وہ اس کی تلاش و کوشش کی بیس پر حاصل ہوگا، اور اسکا نتیجہ وہ ضرور دیکھے گا "و ان لیس للانسان الا ماسعیٰ، و ان سعیہ سوف یریٰ"[1] سچ اور حق یہ ہے کہ تربیت نفس اور خود سازی کی ضرورت، در حقیقت انسان کے لئے دین کے ضروری ہونے کی طرف پلٹتی ہے، چونکہ دین کا بنیادی اور مجموعی مقصد و ہدف: انسانی نفس کی تربیت، اسے اس کے حقیقی مالک و خالق سے قریب کرنا اور اس طرح اسے ہلاکت سے نجات دے کر دنیا و آخرت کی دائمی سعادت و خوشبختی سے سرفراز کرنا ہے۔

تربیت نفس کی عظمت و اہمیت:

تربیت نفس اور خود سازی کی عظمت و اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ خداوند ہادی و حکیم نے قرآن عظیم میں گیارہ مرتبہ نہایت

---

1. قرآن حکیم، سورہ نجم، آیہ ۳۹، ۴۰

اہم قسمیں کھانے کے بعد یہ اعلان فرمایا ہے " قد افلح من زکاھا، و قد خاب من دساھا " یعنی کامیاب و کامران وہ ہے جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کیا اور ناکام و نامراد وہ ہے جس نے اپنے نفس کو آلودہ کیا۔[1]

مزید یہ کہ خداوند حکیم و مہربان نے دین، شریعت، انبیاء، مرسلین اور تمام آئمہ و ہادیان برحق کا سلسلہ بلا وقفہ اسی لئے جاری و ساری رکھا ہے تاکہ ان کے ذریعہ انسانی نفوس کی تربیت ہو اور وہ رشد و سعادت کی منزلیں طے کریں۔

پس انسان کا اپنے نفس کی تربیت نہ کرنا اور اسے کثافتوں اور غلاظتوں سے نہ بچانا، درحقیقت خداوند مہربان کے نہایت عظیم و وسیع انتظام ہدایت و سعادت کی ناقدری و ناشکری کے ہمراہ اس کی عطا کردہ بے پناہ عقلی، فکری اور انسانی صلاحیتوں اور نعمتوں کو مٹی میں ملا دینا ہے، جو بے انتہا مذموم اور عذاب آور عمل ہے، چونکہ قرآن حکیم کا اعلان ہے:

"لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید"[2] اگر شکر کروگے تو یقیناً (تمھاری نعمتوں) میں اضافہ کردوں گا اور اگر کفر و ناشکری کروگے تو بیشک میرا عذاب سخت و شدید ہے۔

تربیت نفس، عزاداری حسینی کے سائے میں:

بلاشبہ شیعیان اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کی فرمائشات و تاکیدات کی بناء پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کرتے، انکی عظیم قربانی کی یاد مناتے، ان کی بے مثال غربت و مظلومیت پر اشک برساتے اور ان کے قیام و شہادت کی یاد کو زندہ رکھنے کے لئے مجالس عزا، ماتم، نوحہ و مرثیہ خوانی، اور جلوس وغیرہ کا انعقاد و اہتمام کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ سرکار سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے لئے مراسم عزا کا اہتمام، چونکہ شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کا ایک روشن مصداق ہے (اور اس کے بارے میں اللہ عزوجل نے سورہ حج میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے:" ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب"[3] اور جو بھی الہی شعائر کا احترام و اکرام کرے، تو یہ با تقویٰ دلوں کی صفت ہے) اس لئے بھی شیعہ ان مراسم کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ حق اور سچ ہے کہ جب شیعہ سماج میں عزاداری اور مجالس حسینی کا انعقاد ہوتا ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت و اصحاب نے خداوند متعال کے عشق و محبت، اس کے دین مقدس کی حفاظت و بالادستی اور امت کی اصلاح و ہدایت کی خاطر جو نہایت سخت و سنگین اور طاقت فرسا قربانی دی ہے، وہ گویا مجسم ہو کر عزاداروں کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے اور اس کا ان کے دل و دماغ پر ایسا ناقابل بیان اثر ہوتا ہے کہ آنسوؤں کی موسلادھار بارش ان کی آنکھوں سے برسنے لگتی ہے۔

---

1. سورہ شمس، آیہ ۹،۱۰۔

2. سورہ ابراہیم، آیہ ۷۔

3. سورہ حج، آیہ ۳۲۔

مظلوم کائنات امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ شہید ہونے والے اقارب و انصار کے لئے عزاداروں کے دلوں میں اس عمیق و عظیم جذبہ عشق و محبت، اٹوٹ وابستگی اور بے پناہ قلبی، معنوی اور دینی قربت بلکہ شہرگ جاں سے بھی زیادہ نزدیکی کا سچا، پختہ اور نہایت شیریں احساس انھیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ زندگی کی ہر منزل میں شہیدان کربلا کو اپنا قائد، اسوہ اور آئیڈیل قرار دیں اور ان کے نشانات قدم کی تاسی کرکے "الٰہی صراط مستقیم" پر گامزن ہوں۔

یہ عزاداری اور حسینی مراسم و مجالس ہی ہیں جو عزاداروں کو یہ دینی و زندگی ساز موقع فراہم کرتی ہیں کہ اپنے جملہ عقائد اور اعمال و افعال کا محاسبہ کریں اور گہرائی کے ساتھ سوچیں کہ ہماری فکری، اعتقادی اور عملی زندگی کس حد تک شہیدان کربلا کی الٰہی و دینی طیب و طاہر سیرت اور زندگی سے مطابقت رکھتی ہے۔

چونکہ یہی اہم سوچ ہے جو عزاداری کے دینی و ایمانی گھنے سائے میں ہر عزادار کو "تربیت نفس"، "خود سازی" اور "اصلاح رفتار و کردار" پر آمادہ کرنے کی بے پناہ قوت و صلاحیت رکھتی ہے۔

لیکن شیطان چونکہ ہمارا کھلا ہوا دشمن ہے "الم اعهد الیکم یابنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان، انه لکم عدو مبین"[1] اور جو شے جس قدر اہم، قیمتی، ہدایت و اصلاح افزا اور سعادت آفریں ہوتی ہے، وہ انتہائی ہیں اس سے غافل و بے خبر کرنے کی انتھک کوشش کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے نفس کو شیطانی و ابلیسی ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھیں اور عزاداری کی اصلاح و ہدایت سے معمور فضا میں اپنی "تربیت و اصلاح" کے سلسلہ میں مسلسل کوشاں رہیں۔

مراسم عزا کا اہتمام کرنے والوں اور حسینی مجالس سے خطاب کرنے والوں کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ عزاداری حسینی کے اہداف، مقاصد، فلسفے اور ان کے انعقاد و اہتمام کے اغراض اور وجوہات کو مکمل وضاحت اور اہمیت کے ساتھ بیان کریں۔

بالخصوص اس بنیادی امر کی طرف مسلسل اور مستقل طور پر اہل عزا اور عاشقان امام حسین علیہ السلام کو توجہ دلانے کی کوشش کریں کہ امام حسین علیہ السلام کے اس نہایت عظیم الشان قیام کا ہدف اور اس بے مثال قربانی و فداکاری کا اہم اور بنیادی ترین مقصد "امت کی ہدایت و اصلاح" ہے، جیسا کہ اپنے آغاز قیام کے دوران ثار اللہ الاکبر امام حسین علیہ السلام نے خود اس طرح بیان فرمایا تھا: "انی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً و انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی، ارید ان آمر بالمعروف وانہیٰ عن المنکر و اسیر بسیرة جدی و ابی علی ابن ابی طالب۔۔"[2] یعنی میرے اس خروج و قیام کا مقصد عیش و عشرت، اچھی گذر بسر کا حصول، فتنہ و فساد برپا کرنا اور کسی پر ظلم و ستم ڈھانا نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد اپنے نانا کی امت کی اصلاح ہے، میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر کرنا اور اپنے نانا اور بابا علی ابن ابی طالب کی سیرت پر چلنا

---

1. سورہ یٰس، آیہ ۶۰۔

2. مجلسی، بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۹۔

چاہتا ہوں۔

پس یاد رہے کہ جو امام حسین علیہ السلام کے جہاد و قیام کا مقصد ہے، وہی ان کے جہاد و قیام کی یاد میں منعقد ہونے والے مراسم و مجالس عزا کا مقصد ہے۔ لہذا اگر خدا نخواستہ کوئی عزادار، عزاداری تو کرتا ہو لیکن اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کی طرف متوجہ نہ ہو تو جان لینا چاہیئے کہ وہ "رسمی و جذباتی عزادار" تو ہوسکتا ہے لیکن "حقیقی و واقعی عزادار" نہیں ہوسکتا۔

یہ ایک آشکارا اور مشاہداتی حقیقت ہے کہ ہر عزادار امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کر کے کم از کم اپنے اس اعتقاد کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ میں مظلوم کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہوں اور ظالم و ستمگر یزید ملعون کے ساتھ ہرگز نہیں ہوں۔

لیکن اسے یہ فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کا یہ اعتقاد و اظہار اس وقت تک حقیقی نہیں ہوگا، جب تک وہ اپنی انسانی و دینی تربیت نہیں کرے گا اور پاکیزگی نفس اور طہارت روح سے آراستہ نہیں ہوگا۔

چونکہ آلودہ کردار، انسانی قدروں سے دور اور بے دین لوگ ہرگز امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہونے یا ساتھ دینے کی صلاحیت و لیاقت نہیں رکھتے!! جس کی ایک سامنے کی مثال "حر ابن یزید ریاحی" ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک حر نے کثافت و ضلالت کو اپنے نفس سے دور نہیں کیا اور اصلاح و ہدایت سے اپنے وجود کو آراستہ نہیں کیا، اس وقت تک وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہونے اور ساتھ دینے کے قابل نہیں بن سکے۔

البتہ جب جناب حر علیہ السلام "تزکیہ نفس" کر کے خدمت امام حسین علیہ السلام میں حاضر ہوئے تو اتنے پاکیزہ کردار ہو چکے تھے کہ سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے یہ کہتے ہوئے ان کا استقبال فرمایا:

"اهلاً بك وسهلاً انت والله الحر فی الدنیا والآخرة"[1] خوش آمدید، قسم بخدا تم دنیا و آخرت میں حر اور آزاد ہو۔

اے حسینی عزادارو! بلاشبہ ہمارے مولا امام حسین علیہ السلام، خداوند عادل و رحمٰن کے برحق خلیفہ اور نمائندہ ہیں، لہذا ہم بھی اگر اپنی اصلاح و ہدایت اور تزکیہ نفس کر کے ان کی بارگاہ میں پیش ہونگے تو وہ یقیناً حر علیہ السلام کی طرح ہمارا بھی استقبال فرمائیں گے اور ہمیں بھی اپنے سینہ مبارک سے لگا کر دعائیں دیں گے، ان شاء اللہ المنان المستعان۔

پس ہمیں اب بلا کسی تاخیر کے عزاداری حسینی کے دینی و معنوی سائے تلے اپنے نفس و کرادر کی تربیت، اصلاح اور تزکیہ میں مشغول ہو کر بقیۃ اللہ الاعظم، حسین عصر، وارث دین و قرآن حضرت امام مہدی صاحب الزمان علیہ السلام و عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی قدمبوسی، ہمرکابی اور خدمت گزاری کی ہمہ تن تیاری کرنی چاہیئے۔

---

1. سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، ج ۲، ص ۱۹۲۔

کربلا مظہر تولا و تبرا

علی خضر عمرانی

مقدمہ

کلیدی الفاظ

تولا–تبرا–محبت–اطاعت–رضامندی–بیزاری–نفرت–دوری–دین–

انسان کی زندگی دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک پہلو کا نام تولا ہے اور دوسرے پہلو کا نام تبرا۔ خداوند متعال نے انسان کو ان دو عنصر کے ساتھ خلق کیا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں اس بات کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ ہم کچھ چیزوں کو محبوب رکھتے ہیں اور کچھ چیزوں سے نفرت اور کنارہ کشی کرتے ہیں۔ ایک کامل انسان وہی ہے جس کے وجود میں یہ دونوں جنبہ پائے جائیں۔

جیسا کہ امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے: **هل الدین الا الحب و البغض**؟[1] کیا دین محبت اور نفرت کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ اس حدیث سے ایک مطلب یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ دین کامل ہی انہیں دو عنصر سے ہوتا ہے۔

تاریخ میں کچھ شخصیات ایسی ہیں کہ جن کی زندگی میں یہ دو عنصر کامل طور پر نظر آتے ہیں۔ مثلاً اہلبیت علیہم السلام اور کچھ واقعات تاریخ کے اوراق پر ایسے بھی نظر آتے ہیں کہ جو انہیں دو عنصر کا مکمل نمونہ بن جاتے ہیں، انہیں عظیم واقعات میں سے ایک کربلا کا واقعہ ہے۔

اول اسلام سے ابھی تک جو سب سے بڑی فتح اور کامیابی اسلام اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے وہ کربلا کی عظیم کامیابی ہے۔

کربلا وہ مقام ہے کہ جہاں انسان کامل وجود پاتا ہے یعنی ایک ایسا انسان جو انہیں دو جنبوں سے مکمل طور پر آراستہ ہو۔ ہم ان شاء اللہ روز عاشورا سے ان دو عناصر کو ربط دیتے ہوئے اپنے اس مقالہ میں چند نکات آپ کے ذہن عالی کے سپرد کریں گے۔

تولا اور تبریٰ یعنی کیا؟

تولا لغت میں "و۔ل۔ی" سے لیا گیا ہے جس کے متعدد معنی ہیں مثلاً دوست، سرپرست، حاکم وغیرہ وغیرہ لیکن اس کلمہ تولا سے آج کے معاشرہ اور اصطلاح عرفی میں جو معنیٰ قصد کیا جاتا ہے اس کو ہم یوں بیان کرنا پسند کرینگے تولا یعنی خدا کی ولایت کو قبول کرتے ہوئے پیغمبر ﷺ اور انکی اولاد کی ولایت کو قبول کرنا اور اہلبیت پیغمبر ﷺ سے محبت کرتے ہوئے ان کی مکمل پیروی کرنا۔

کیونکہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ میں کچھ یوں ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] بحار الانوار ج ۶۵ ص ۶۳

"إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ" [1] ہم اس آیہ مبارکہ سے استناد کرتے ہیں کہ تولا یعنی فقط خدا اور اس کے رسول ہی کی ولایت کو قبول کرنا نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول کی ولایت کے ساتھ ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کو بھی ماننے اور قبول کرنے کا نام ہے۔

اسی طرح لفظ تبرا "ب۔ ر۔ ء" سے اخذ کیا گیا ہے کہ جس کا معنی دوری اختیار کرنا کنارہ کشی کرنا ہے اور اس لفظ کا اصطلاحی معنی یہ ہے غیر خدا کی ولایت سے انکار کرنا اور خدا اور اسکے رسول و اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے بیزاری اور دوری اختیار کرنا۔

ہم نے یہاں تولا اور تبریٰ کا مفہومی اور اصطلاحی معنیٰ پیش کیا ہے چونکہ اس مختصر مقالہ میں اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ ان دو لفظوں کے بارے میں تمام جہات و جوانب سے گفتگو کی جائے۔

تولا اور تبریٰ کا مقام

جیسا کہ ہم نے مقالہ کے آغاز میں امام باقر علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی تھی اور اسی طرح آئمہ معصومین علیہم السلام کی دوسری احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیعی فرہنگ میں تولا اور تبرا کی اپنی الگ حیثیت ہے، حتی ان دونوں کے بغیر انسان کا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

چونکہ ہمارے مقالہ کا موضوع عاشورا مظہر تولا اور تبرا ہے تو آئیے دیکھتے ہیں کہ روز عاشور میں کس طرح یہ دو عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں اور کس طرح عاشور کا دن ان دو مفہوموں (تولا اور تبرا) کیلئے مظہر اور نمونہ عمل ہے؟

تولا یعنی خدا اور اسکی حجت سے محبت کرنا

عاشور کے دن خدا سے محبت کے چند نمونے

شب عاشور جب دشمنوں نے جنگ کا نقارہ بجایا اور شب عاشور ہی دشمنوں نے جنگ شروع کرنے کا ارادہ کیا تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے جانباز اور دلیر بھائی یعنی حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے کہا کہ بھائی ان (اعداء) سے کہو کہ ہمیں ایک رات کی مہلت چاہئے تاکہ ہم یہ شب خدا کی عبادت اور تلاوت قرآن میں بسر کرسکیں۔

اور پھر امام حسین علیہ السلام کا یہ جملہ کہ: اَنِّي قَدْ كُنْتُ اُحِبُّ الصَّلَاةَ لَهُ وَتِلَاوَةَ كِتَابِهِ وَ كَثْرَةَ الدُّعَاءِ وَالاِسْتِغْفَارِ.[2]

اور دشمن کا بھی اس بات کا اعتراف کرنا اور یہ کہنا کہ شب عاشور خیام حسینی سے عبادات اور تلاوت قرآن کی آواز اس طرح آرہی تھی جیسے آواز شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے آتی ہے۔

---

1 سورۂ مائدہ آیۃ ۵۵

2 بحارالانوار ج ۴۴ ص ۳۹۲، موسوعۃ کلمات الامام الحسین علیہ السلام، حدیث ۳۹۲، ح ۷۹ ۳

اصحاب حسینی علیہم السلام کا اپنے وقت کی حجت سے محبت کے چند نمونے

شب عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جمع کرنے کے بعد، آنے والے دن یعنی عاشور سے سب کو آگاہ فرمادیا اور کہا کہ یہ لوگ (دشمن) فقط میری جان کے دشمن اور میرے خون کے پیاسے ہیں، انھیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ تم اگر جانا چاہتے ہو تو جاسکتے ہو یہاں تک کہ میں تمہاری جنت کی بھی ضمانت لیتا ہوں اور اگر تمہیں شرم آتی ہے تو میں چراغ بجھادیتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کی ان باتوں کو سن کر اصحاب حسینی علیہ السلام نے اپنی اپنی جانثاری و وفاداری کا اعلان کیا....

اسی طرح جب جناب مسلم بن عوسجہ علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام کا دفاع کرتے ہوئے زخمی ہوگئے تو جناب حبیب علیہ السلام نے پوچھا اے مسلم کوئی وصیت ہو تو بیان کرو تو جناب مسلم بن عوسجہ نے آخری وقت میں بھی اپنے اہل و عیال کا ذکر نہیں کیا بلکہ فقط حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حسینؑ کا خیال رکھنا۔

کربلا اسی طرح اور بھی نمونے اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ کربلا تولا کا کس قدر حسین منظر پیش کررہی ہے۔ لشکر حسینی کا یہ جانتے ہوئے بھی کہ عاشور کے دن ہمیں شہید ہوجانا ہے سب کے سب اپنے اہل و عیال کی پرواہ کئے بغیر اپنے محبوب اور اپنے آقا و مولا کی پرواہ کررہے ہیں۔

تولا یعنی خدا کی مرضی پر راضی رہنا

قرآن مجید میں خداوند ارشاد فرماتا ہے کہ: يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔[1]

جیسا کہ ذکر ہوا کہ تولا کا لازمہ یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب کی اطاعت کرے اور اس کی مرضی پر راضی رہے۔ کربلا میں ہمیں یہ چیز نہایت ہی خوبصورت انداز میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ جب روز عاشور امام حسین علیہ السلام اور ان کے جانثار اصحاب پر کوئی مصیبت پڑتی تو آپ کی زباں پر شکر خدا کے علاوہ کوئی اور جملہ نہ ہوتا۔

مقتل میں ہے کہ جب عصر عاشور جناب علی اصغر علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تو امام حسین نے یہ جملہ کہا: ثُمَّ قَالَ هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِي أَنَّهُ بِعَيْنِ اللَّهِ،[2] امام حسین علیہ السلام کا یہ جملہ کہ میرے لئے یہ مصیبت آسان ہے چونکہ میرے خدا کے سامنے ہے۔

یہ چند نمونے جو ہم نے ذکر کئے اس میں تولا کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ کربلا بالخصوص عاشورا میں بہت سے ایسے نمونے ہیں جن سے عاشور کے دن تولا کے اوج و عروج کو سمجھا جاسکتا ہے لیکن ہمارا مقالہ طولانی نہ ہوجائے لہذا اقتصار سے کام لیتے ہوئے ہم انھیں چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[1] سورہ نساء آیۃ ۵۹

[2] لھوف ص ۶۹

اسی طریقہ سے کربلا میں ہمیں تبرا کا مفہوم بھی بخوبی نظر آتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ کربلا اور عاشور کا دن وہ دن ہے کہ جس سے بہتر کہیں بھی تبرا کو سمجھا نہیں جاسکتا۔ آئیے کربلا کے عظیم واقعہ میں چند نمونے تبرا کے بھی ملاحظہ کرتے ہیں۔

کربلا میں تبرا کے چند نمونے

تبرا یعنی خدا اور اسکی حجت کے دشمنوں سے بیزاری اور نفرت کرنا

عاشور کا دن لشکر حسینی کیلئے سخت دن تھا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی تعداد ۷۲ بہتّر افراد پر مشتمل تھی جن میں بوڑھے، جوان اور نوجوان بھی تھے بلکہ کچھ تو کمسن بچے بھی تھے۔ جبکہ یزیدی فوج کی تعداد ۳۰ ہزار تھی امام حسین علیہ السلام اور ان کے لشکر پر پیاس کا غلبہ ہے جبکہ اس طرف آسائش ہی آسائش ہے ایسے سخت ماحول میں جب شب عاشور شمر ذی الجوشن، جناب عباس علیہ السلام اور انکے ۳ بھائیوں کیلئے امان نامہ لیکر آتا ہے تو جناب عباس علیہ السلام اس کو منہ توڑ جواب دیکر اس کا امان نامہ ٹھکرا دیتے ہیں۔

یہ تبرا کا کتنا خوبصورت نمونہ ہے ایسے سخت ماحول میں بھی جناب عباس علیہ السلام دشمن خدا سے اظہار برائت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یوں اپنے مولا و آقا سے محبت اور ان کے دشمنوں سے دشمنی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ایک دوسرا نمونہ

ہم نے امام حسین علیہ السلام اور عنصر تولا کو بیان فرمادیا

اب آئیے امام حسین علیہ السلام اور عنصر تبرا کو سوال و جواب کے قالب میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں

امام حسین علیہ السلام عاشور کے دن کیوں شہید ہو جاتے ہیں؟ امام حسین علیہ السلام عاشور کے دن کیوں اپنا بھرا گھر لٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کو بھی قربان کر دیتے ہیں؟

ان سوالوں کا جواب یہی ہے کہ چونکہ امام حسین علیہ السلام کو یہ گوارا نہیں تھا کہ دشمن کی بیعت کر کے ایک لمحہ کیلئے بھی خدا کے دشمن کے سامنے تسلیم ہو جائیں اور اللہ کی ولایت سے خارج ہو جائیں۔ چونکہ امام حسین علیہ السلام خود حجت خدا ہیں اور انسان کامل ہیں اور ایک انسان کامل کے وجود میں عنصر تولا اور تبرا اپنے عروج پر ہوتا ہے تو یہاں بھی ممکن نہیں ہے کہ امام حسین علیہ السلام دشمن خدا سے بیزاری یعنی تبرا کو چھوڑ کر دشمن سے ہاتھ ملالیں۔ لہذا اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بتادیا جو بھی حسینی ہوگا وہ کبھی بھی تولا اور تبرا کو نہیں چھوڑ سکتا۔

خلاصہ

تولا اور تبرا دو ایسے مفہوم ہیں کہ جن کے بغیر زندگی کی چکی نہیں چل سکتی۔ انسان چاہے ان چاہے بھی ان دو عناصر کو اپنے وجود میں رکھتا ہے۔ تولا اور تبرا اسلامی لغت میں یعنی اللہ اور اسکے رسول اور اولاد سے محبت اور ان کے دشمن سے نفرت اور بیزاری کرنے کا نام ہے۔ کربلا ان دونوں مفاہیم (تولا اور مفہوم تبرا) کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتی ہے بلکہ کربلا مظہر تولا و تبرا ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم کربلا سے درس لیتے ہوئے اپنی زندگی کو ایسے ڈھالیں جیسے کربلا میں امام حسین اور ان کے جانثار ساتھیوں علیہم السلام کی زندگی تھی یعنی ہماری پوری زندگی خدا اور اسکے رسول اور اسکی حجت کی ولایت میں رہ کر گزرے۔ آمین

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ

دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ

سرداد نداد دست در دست یزید

حقّا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

خواجہ معین الدین چشتیؒ

عزاداری اہلسنت کی نگاہ میں

منہال رضا خیر آبادی

عزاداری یعنی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کرنا، صبر و تحمل کی تلقین کرنا، اسلامی سماج و معاشرہ میں عزاداری ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے، ائمہ معصومینؑ، بزرگان دین، شہدائے راہ اسلام پر ڈھائے گئے مظالم کی یاد، ان کے اہداف کی بقاء اور احیاء کیلئے مراسم عزا کا انعقاد کرنا، گریہ و زاری، غم والم کی کیفیت، مصیبت دیدہ افراد سے ہمدردی کا اظہار عزاداری کے اجزاء ہیں گرچہ مرور ایام کے ساتھ لفظ عزاداری ماہ محرم الحرام میں امام حسینؑ اور ان کے باوفا اصحاب کی عدیم المثال قربانی کی یاد سے مختص ہو گیا ہے جس کے اہداف و مقاصد پر غور و فکر سے اس یاد کی اہمیت، وسعت و جامعیت سے کسی باشعور کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے، رہبران دینی کی حقیقی معرفت، جذبہ مودت اہلبیتؑ میں استحکام، حقائق و معارف الہیہ سے باخبر ہونا، نہضت حسینی کی صحیح تفسیر و تشریح، خاندان رسالت سے ہمدردی و ہمدلی کو تقویت پہونچانا اہمترین مقاصد عزاداری میں سے ہیں۔

عزاداری نہ کسی قوم و ملت، مذہب و مسلک سے مختص ہے نہ کسی علاقہ سے، ہر دور اور ہر زمانہ میں عزاداری مختلف اقوام و قبائل میں اپنے اپنے طریقہ پر رائج رہی ہے، ابتدائے انسانیت سے عزاداری کا رواج تاریخی شواہد کی بنیاد پر ملتا ہے، قتل جناب ہابیل پر حضرت آدمؑ ابوالبشر کی عزاداری کا تذکرہ صفحات قرطاس پر آج بھی ثبت نظر آتا ہے، اس بنیاد پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عزاداری کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی تاریخ انسانیت۔ ظلم و استبداد سے نفرت رکھنے والے غیر مسلم برادران وطن بھی عزاداری کے پروگرام میں بڑے انہماک سے سرگرم عمل نظر آتے ہیں، وطن عزیز ہندوستان کے مختلف شہروں، دیہاتوں میں تعزیہ داری، ماتم، نوحہ و سینہ زنی کی صفوں میں برادران نہایت تزک و احتشام، عقیدت و محبت سے نہ صرف یہ کہ شامل ہوتے ہیں بلکہ اپنے لئے افتخار سمجھتے میں، سیاہ لباس میں ملبوس، گھروں میں شبیہیں سجائے، گھروں پر علم لگانے کی روایت بہت قدیمی ہے تعزیہ بنانے والے فنکار ہوں یا نوحہ خوان، کاندھوں پر ضریح اٹھانے والے عقیدتمند ہوں یا علم و گہوارے کے سامنے سر عقیدت جھکانے والے افراد ہر ایک صف میں صرف ہمارے مسلمان بھائی نہیں بلکہ غیر مسلم برادران وطن بھی نہایت ہی پر جوش انداز میں نظر آتے ہیں۔

واقعہ کربلا کی عظیم قربانی نے دنیا و انسانیت کے ہر حق پسند سماج اور منصف مزاج معاشرہ، دردمند ثقافت کو متاثر کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف کلمہ گو نہیں بلکہ وہ افراد جو کفر و الحاد کے صحرا میں سرگرداں ہیں ان کی جبین عقیدت بھی در حسینؑ پر جھکی نظر آتی ہے، ہندوستان کی قدیم سلطنتوں اور ریاستوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ والیان ریاست نے نہ صرف اس تحریک حریت کی یاد منائی بلکہ اس یاد کو آئندہ نسل تک پہونچانے کیلئے اقتصادی، سیاسی و سماجی محکم لائحہ عمل تیار کیا تاکہ صدائے حریت کی بازگشت کمزور نہ

ہونے پائے اور بشریت درس حریت سے فیض حاصل کرتی رہے۔ چنانچہ کشمیر سے کنیا کماری تک فلک پر ہلال محرم کے نمودار ہوتے ہی عزاداری، جلوس و مجالس عزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے نمونہ دکھائی دیتے ہیں۔ سچ کہا ہے

در حسینؑ پر ملتے ہیں ہر خیال کے لوگ　　　یہ اتحاد کا مرکز ہے آدمی کیلئے

عزاداری روز عاشورا اس نقطہ پرکار کا نام ہے جس کے گرد واعظ و رند، ادیب و ملا، شاعر و خطیب، پنڈت و پادری، شاہ و گدا، بلا تفریق مذہب و مسلک پروانہ وار ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں، تقسیم ہندوستان سے پہلے کے شواہد سے پتہ چلتا ہے ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سکھ بھی عزاداری میں برادران اسلام کے شانہ بشانہ ہوتے تھے، سروجنی نائیڈو، دھرمندر ناتھ، ماتھر لکھنوی وغیرہ جیسے قدر آور علمی و ادبی شخصیات کے نذرانہ ہای عقیدت جیتی جاگتی تصویر ہے۔

ادھر کچھ عرصہ سے ایک یزید نواز گروہ نجدی حمایت سے ظاہر ہوا جو عالم اسلام میں مختلف مسائل اور متعدد مواقف کے حوالہ سے بے بنیاد واریعنی گفتگو اور فتوؤں سے انتشار پھیلانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے، بدعت کے تیر سے قلوب عزادار کو مجروح اور یزید کی ناپاک روح کو شاد کرنے کی پیہم کوشش کر رہا ہے چند شرپسند عناصر کے ایک گروہ کے ذریعہ اسلامی سماج کے امن و سکون کو غارت کر رہا ہے، خوارج کی پالیسی، اموی ناپاک عزائم کی تکمیل، آثار متبرکہ ومقدسہ کی تاراجی اس کا بنیادی مشن ہے اس راہ میں وہ کسی سمجھوتہ کیلئے تیار بھی نظر نہیں آتا ہے، اپنے مشن کو کامیاب بنانے کیلئے ہر قسم کا اقدام کرتا نظر آتا ہے۔ ادھر ہلال محرم فلک کائنات پر ظاہر ہوا دوسری طرف بنی امیہ کے نجس دسترخوان کے زلہ خوار، دین فروش ملا، وادی جہل و جہالت میں حیران و سرگردان پھرنے والے مفتیوں کی زبانیں کھل جاتی ہیں، بدعت، شرک، حرمت کے فتوے گلا پھاڑ پھاڑ کر بیان کرنے لگتے ہیں، کون بتائے ان بے چاروں کو تم اپنے عمل سے اپنے اسلاف کے کردار و عمل کو نشانہ بنا رہے ہو، چند روزہ دنیوی، مقام و مرتبہ کی خاطر آخرت کو تباہ کر رہے ہو۔ کیوں اپنے جاہل آقاؤں کی لچھے دار باتوں سے اپنے ایمان کو خراب کر رہے ہو، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ دین و شریعت پہونچانے والے نبیؐ آخر الزمان نے عزاداری کیا ہے؟ اگر یہ عمل خلاف دین و شریعت تھا تو نبی مکرمؐ نے کیوں انجام دیا؟ یا تم کچھ زیادہ دین و شریعت کا علم رکھتے ہو اور نبی کو کم تھا؟ ہاں! تم کہہ سکتے ہو کیونکہ تمہاری ''تقویۃ الایمان'' کتاب کی رو سے نبی اور عام بشر میں کوئی امتیاز نہیں ہے، غلطی و اشتباہ، خطا و نسیان سب کچھ عارض ہو سکتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے موسس سید ابو الاعلی مودودی نے امام حسینؑ کو صبح قیامت تک کیلئے نمونہ بتایا ہے وہ تحریر کرتے ہیں:

''جو لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے دین کو کفر سے مغلوب دیکھیں جن کے سامنے حدود الہی پائمال ہی نہیں بلکہ کالعدم کر دی جائیں، خدا کو عملا ہی نہیں باضابطہ منسوخ کر دیا جائے، خدا کی زمین پر خدا کا نہیں بلکہ باغیوں کا بول بالا ہو...... اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے دلوں میں نہ کوئی بے چینی ہو، نہ اس حالت کو بدلنے کیلئے کوئی جذبہ بھڑکے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے نفس کو اور عام مسلمانوں

کو غیر اسلامی نظام کے غلبہ پر اصولاو عملا مطمئن کر دیں اس کا شمار محسنین میں کس طرح ہو سکتا ہے ؟..... وہ چاشت، اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھتے رہے جزئیات فقہ کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کے اتباع کا سخت اہتمام کرتے رہے..... مگر ایک نہ تھی وہ حقیقی دینداری جو "سر داد، نداد دست در دست یزید" کی کیفیت پیدا کرے اور بازی اگر چہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا کے مقام وفاداری پر پہونچادے''۔[1]

غور فرمائیں ناظرین محترم علامہ مودودی نے صاف لفظوں میں یہ بات واضح کر دی کہ دور امام حسینؑ میں ایسے مسلمان ضرور تھے جو واجبات و نوافل کیلئے حد درجہ اہتمام کرتے تھے مگر الٰہی فرامین سے بغاوت کرنے والوں، احکام الٰہی کا مذاق بنانے والوں کے مقابل کھڑے ہونے کی ہمت مفقود تھی اور جو باغیوں اور سرکشوں کے مقابل ڈٹ جائے اس کو مودودی صاحب محسن مانتے ہیں اور محسنین کیلئے ارشاد الٰہی ہے ''اللہ محسنین کو دوست رکھتا ہے'' اور جو اللہ کا دوست ہو اس کی یاد منانا خلاف شرع کیسے ہو سکتا ہے!

علامہ طاہر القادری کا بیان ملاحظہ فرمائیں: یاد رکھ لیں کہ ان ہستیوں کو ہمیشہ یاد رکھنا ان کی شان، عظمت، عزم و استقامت، صبر و استقلال اور ان کے اس پورے اقدام کی غرض وغایت کو یاد رکھنا یہ ایمان میں استحکام کا باعث ہے، اس سے محبت میں مضبوطی نصیب ہوتی ہے۔ محبت کو جلاملتی ہے ایمان کو زندگی اور تازگی نصیب ہوتی ہے لہٰذا طبیعتوں میں یہ رجحان پیدا کریں کہ جب ان کا ذکر سنیں ان سے محبت کریں ان کا پیغام سنیں تو جتنا ہو سکے ان کے پیغام کو زندگی میں نافذ کریں اس طرح محبت سے شروع ہونے والا سفر اتباع پر ختم ہوتا ہے یعنی محبت حسینؑ اور اتباع حسینؑ دونوں یکجا ہوں تو اس کا ذکر مقصود پورا ہوتا ہے۔[2]

کہاں ہیں خارجیت و ناصبیت کے دلدادہ، مادیت اور بے دینی کے رسیا کیوں عقائد حقہ کی اصلی تصویر کو دھندلا کر کے امت اسلامیہ کے صاف وشفاف ذہنوں کو مکدر کر کے صفحہ ذہنی پر خارجیت و ناصبیت کے کانٹے اگانے کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں؟

ان دو اقتباسوں کے بعد اب ہم چند بات علمائے اہلسنت کی کتابوں سے درج کرنے پر اکتفا کریں گے تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ ہر دور کے حق پسند، منصف مزاج افراد نے امام حسینؑ کی یاد نہ صرف منائی ہے بلکہ منانے کی عملی تاکید بھی فرمائی ہے۔

۱۔ عبد الرحمن جزائری، کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں تحریر کرتے ہیں: مالکی و حنفی نقطہ نظر سے، با آواز بلند گریہ کرنا جبکہ فریاد و ضجہ کے ساتھ ہو حرام ہے لیکن شافعی و حنبلی مسلک میں مباح ہے آنسو بہانا، بغیر آواز کے گریہ کرنا جبکہ اس کے ہمراہ داد وفریاد نہ ہو تمام علمائے اہلسنت نے مباح قرار دیا ہے۔ اسی سے مشابہ مضامین اہلسنت کی دیگر کتب من جملہ ''فتاوی الہندیۃ'' و ''فتاوی الغیاثیۃ'' میں بھی درج ہیں۔

۲۔ ابن عماد حنبلی عظیم عالم اہلسنت نے واقعہ کربلا کو نقل کرتے ہوئے تحریر کیا:

---

[1] اسلامی زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص ۱۵۶ و ۱۵۷

[2] ماہنامہ منہاج القرآن، اکتوبر ۲۰۱۵ء

قاتل الله فاعل ذلك واخزاه و من امر به او رضیه .....[1] خدا قتل کرے اس کو جس نے امامؑ کو قتل کیا اور خاندان اہلبیتؑ کو اسیر کیا اور جو اس عمل پر راضی رہا۔

اہلسنت کے مشہور مفسر آلوسی سے جب یزید کے توبہ کرنے کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو جواب میں لکھا: الظاھر انه لم یتب واحتمال توبته اضعف من ایمانه ویلحق به ابن زیاد و ابن سعد و جماعة فلعنة الله عز وجل علیهم اجمعین وعلی انصارهم واعوانهم وشیعتهم ومن مال الیهم الی یوم الدین ما دمعت عین علی ابی عبد الحسین علیه السلام[2] بظاہر یزید نے توبہ نہیں کی تھی توبہ کا امکان اس کے ایمان سے بھی زیادہ ضعیف ہے، ابن زیاد و ابن سعد اسی سے ملحق ہوں گے ان سب پر ان کے حامیوں اور چاہنے والوں پر اس وقت تک اللہ کی لعنت ہو جب تک آنکھیں امام حسینؑ پر آنسو بہاتی رہیں گی۔

۴۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی کا بیان ملاحظہ ہو:

پورے سال میں صرف دو مجلسیں منعقد ہوتی تھیں ایک وفات شریف کے ذکر کی (رسولخداؐ کی وفات) دوسری شہادت امام حسینؑ کے ذکر کی عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو روز قبل چار سے پانچ سو افراد کبھی کبھی ایک ہزار تک تعداد پہونچ جاتی لوگ جمع ہو کر درود پڑھتے اور جب فقیر باہر آتا اور بیٹھتا تو امام حسینؑ کے فضائل و مناقب کے حوالہ سے مذکور احادیث بیان ہوتیں، ان بزرگوں کی شہادت اور ان کے قاتلوں کی بدانجامی سے متعلق اخبار و احادیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے بیان ہوتے اور وہ مرثیے بھی پڑھے جاتے جنہیں حضرت ام سلمہ اور دیگر صحابہ کرام نے جنوں اور پریوں سے سنا ہے اس کے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا اور ماحضر پر فاتحہ دیا جاتا اس وقت اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا اور ظاہر ہے اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ طاری ہو جاتا اگرچہ یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اس طرح سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ ہوتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں۔[3]

۵۔ مولانا عبد الواحد فرنگی محلی:

اس زمانہ کے علمائے صالح نے تعزیہ داری کو شعائر اسلام سمجھتے ہوئے اس کی ترویج و بقا کیلئے فتوے دیئے ہیں لہذا اس دور کے صالح علما نے تعزیہ داری کا جو فتوی دیا تھا بالکل درست تھا اور تعزیہ داری کی ترویج ثواب و اجر عظیم کا سبب ہے مولانا نظام الدین، مولانا عبد العلی، مولوی مجید الدین، مولوی انوار الحق، مولوی نور الحق اور دیگر علمائے فرنگی محل اور اطراف ہند کے علما جب تعزیہ دیکھتے تو

---

[1] شذرات الذہب، ج۱، ص ۶۶

[2] روح المعانی، ج ۱۳، ص ۲۲۸

[3] اقتباس از فتاوی عزیزیہ، ج۱، ص ۱۰۴، مطبوعہ مجتبائی پریس

تعظیم کیلئے کھڑے ہوجاتے اور دونوں ہاتھ تعزیہ کی طرف دراز کر کے نہایت خضوع وخشوع اور عجز وانکساری کے ساتھ فاتحہ پڑھتے تھے۔[1]

۶۔ مولانا محمد نعیم اللہ قادری گورکھپوری:

ہزاروں عالم وافاضل گزرے کسی نے اس تعزیہ کو منع نہ کیا اور برابر اس کو اچھا سمجھتے رہے پس جب ہوا زمانہ وہابیوں کا اس کو ناجائز قرار دیدیا اس کو بت بتادیا اور یہ ان سے بعید بھی نہیں ہے کیونکہ روضۂ رسولؐ کو بڑا بت خانہ کہا گیا، عبد الوہاب نے جس سے نکلا ہے مذہب وہابی۔[2]

متذکرہ بالا اقتباسات پر بغیر کسی تبصرہ کے ہم آخر کلام میں دو بہت ہی اہم تاریخی و ادبی دستاویز ہدیہ قارئین کرنے کی کوشش کریں گے، جس سے یہ اندازہ ہوجائے گا کہ بدعت کے فتوے استعماری اشارہ پر نجدی آغوش میں پروان چڑھے یہودیت کے لے پالک اور سیاسی اولاد نے صادر کئے اور اس کے ناعاقبت اندیش بہی خواہوں کی بھیڑ نے خوب پھیلایا تاکہ نہ تذکرۂ کربلا ہوگا نہ ان کے آقاؤں کے چہرہ سے نفاق کی چادر ہٹے گی اور جرائم سامنے آئیں گے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب التبصرہ میں روز عاشورا کے حوالہ سے مفصل مجلس کو نقل کیا ہے: المجلس الاول فی ذکر عاشورا والمحرم اخوانی باللہ علیکم ..... مستغیثا من ذلك .....[3] برادران تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کوئی یوسفؑ پر زبان اعتراض وا کر دیتا ہے کہ کیسے دیدار یعقوبؑ کیلئے جائیں؟ جب عباس روز بدر اسیر ہوئے اور پیغمبر اکرم نے ان کا نالہ و فغاں سنا تو نیند اڑ گئی کیا حال ہوتا اگر حسینؑ کی فریاد سن لیتے؟ جس وقت قاتل جناب حمزہؑ ایمان لایا پیغمبرؐ نے اس سے کہا کہ میرے سامنے نہ آنا اپنا چہرہ مجھ سے پوشیدہ رکھنا جبکہ اسلامی دستور کے مطابق اسلام لانے کے بعد ماضی کے جرائم سے پاک ہوجاتے ہیں۔ اگر رسولخداؐ امام حسینؑ کے قاتل کو دیکھ لیتے تو کیا کرتے؟ کتنا ظلم حسینؑ پر ڈھایا گیا..... حسینؑ پشت فرس سے زمین پر آئے دشمنوں نے گھیر لیا تلواروں کے حملہ سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا..... ایسے حالات میں پیغمبر اکرمؐ اگر اس کو دیکھتے تو نالہ و فریاد کرتے، استغاثہ بلند کرتے.....

اسماعیل بن عمر ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، ج ۱۳، ص ۲۲۷ پر امام شافعی کے اشعار کو نقل کیا ہے کہتے ہیں:

مجھے معلوم ہوا کہ امام شافعی نے اس طرح نظم کیا ہے (ہم ان کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں)

---

1 تقریب نیوز بحوالہ رسالہ ازالۃ الاوہام

2 ارشاد النعیم لدفع اللئیم، ص ۲۳، مطبوعہ لکھنؤ

3 التبصرہ، ج ۲، ص ۵ تا ۱۷

دل رنجیدہ قلب دردمند ہے۔ آنکھیں اشک برسارہی ہیں میں تنہا ہوں اور نیند آنکھوں سے غائب، پیری عارض ہے۔ ان گزرے ہوئے ایام کے واقعات سے جس نے دنیا کو آل محمدؐ کیلئے ہلادیا ہے۔ قریب تھا پہاڑ جڑوں سے اکھڑ جائیں ستارے ہجوم کر دیں اور انکی پشت پر جو ستارے ہیں وہ لرز جائیں، خیموں کی حرمت تار تار ہوگئی، گریبان چاک ہے، کیا کوئی میرا خط امام حسین تک پہونچاسکتا ہے اور اگر کچھ لوگ اس امر سے ناخوش ہوں تو ہوں لیکن جیسے بے جرم وخطا قتل کیا گیا اور ان کا لباس ارغوانی رنگ (جامنی رنگ) میں رنگ گیا۔ پیغمبر اکرمؐ پر جو خاندان بنی ہاشم کے برگزیدہ ہیں درود بھیجتا ہوں۔ لیکن ان کی اولاد داغ دیدہ ہے یہ تعجب خیز امر ہے اگر میرا گناہ محبت آل محمدؐ ہے تو یہ ایسا گناہ ہے جس سے توبہ نہیں کروں گا، ہاں روز جزاو سزا کے شفاعت کرنے والے وہی آل محمدؐ ہیں۔ روز حساب ان کی محبت شفاعت کرے گی۔

ناظرین غور فرمائیں کتنا درد بھرا کلام ہے امام شافعی نے بغیر کسی رواداری اور جانبداری کے حقائق کو نظم کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ائمہ اہلسنت نے بھی عزاداری امام حسینؑ کا اہتمام کیا تھا علماو اکابرین نے آئمہ فقہ کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف عزاداری کا انعقاد کیا بلکہ مختلف نوعیت سے اس غم میں غمزدہ رہ کر قلب نازنین حضرت زہراؑ کیلئے مرہم زنگار فراہم کرنے کی سعی ناچیز فرمائی ہے۔

تاریخی بیانات و شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں برادران اہلسنت کے افاضل، ادبا، شعرا و علمانے تقریر و تحریر کے ذریعہ امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور کر رہے ہیں، موجودہ دور میں اگر ذرا سا انسان وقت نکال کر ایام عزا میں سوشل میڈیا سے جڑ جائے تو اس کو یہ سمجھنے میں ذراسی بھی دقت نہ ہوگی کہ کائنات اگر ایک نقطۂ مرکزی پر بلا تفریق مذہب و ملت، نسل و قوم جمع ہوسکتی ہے تو اس مرکزی نقطہ کا نام ہے عزائے امام حسینؑ۔

انسان کو بیدار تو ہولینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

واقعہ کربلا میں حبیبؑ ابن مظاہر کا کردار

سید پیغمبر عباس بشر نوگانوی

واقعہ کربلا میں حبیبؑ ابن مظاہر کا کردار بہت اہم ہے اور اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اہل کوفہ کو اس بات کی خبر ملی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کو ٹھکرا دیا ہے اور آپ مدینہ سے مکہ کے لئے ہجرت فرما چکے ہیں تو کوفہ کے شیعوں میں جن لوگوں نے یزید کے خلاف پہلا قدم اٹھایا اور امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دینے کے لئے جو پہلا خط سن 60 ہجری میں لکھا، اُس میں چار لوگوں نے دستخط کئے تھے جس میں حبیبؑ ابن مظاہر بھی شامل تھے، بقیہ تین سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب بن نجبہ اور مسلم بن عوسجہ تھے، اور ان چار لوگوں نے یزید کی بیعت بھی نہیں کی تھی، یعنی حبیبؑ ابن مظاہر، یزید کے خلاف انقلاب برپا کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔

اسی وجہ سے امام حسینؑ کے جو اصحاب کربلا میں شہید ہوئے ان میں دو شہیدوں حبیبؑ ابن مظاہر اور مسلم ابن عوسجہ کا مرتبہ دوسرے شہیدوں کی نسبت زیادہ ہے، کیونکہ یہ دونوں شہید انقلاب کوفہ جو کربلا کا مقدمہ تھا کی بنیاد رکھنے والوں میں سے تھے۔

یہیں سے حبیبؑ ابن مظاہر کی انقلابی سوچ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانہ میں لوگ یزید کی بے چوں وچرا اطاعت کر رہے تھے حبیبؑ نے نہ صرف یزید کی بیعت نہیں کی بلکہ عراقیوں کی سرپرستی کے لئے امام وقت کو دعوت دی، اور عملی طور پر حکومت، امام وقت کو سونپنا چاہی جو اس کے حقدار بھی تھے۔

ایک فقیہ سے یہی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ امام وقت کو پہچانتا بھی ہو اور ان کے حق کی معرفت بھی رکھتا ہو، ہوسکتا ہے کوفہ کے بہت سے شیعوں کے ذہن میں یہ بات ہو لیکن جرأت کے ساتھ عملی طور پر اقدام کرنے والوں میں حبیبؑ ہی پیش گام تھے۔

حبیبؑ ابن مظاہر کا شمار اُن شیعوں میں ہوتا ہے جو معرفت کے ساتھ محبت اہل بیتؑ کی نعمت سے مالامال تھے۔

حبیبؑ ابن مظاہر کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا، آپ صحابیِ رسولؐ یا تابعی تھے اور امام علی علیہ السلام و امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے صحابی تھے۔

علامہ حلی نے حبیبؑ ابن مظاہر کو "مشکور" کی صفت سے یاد کیا ہے جو حبیبؑ ابن مظاہر پر بھروسہ کو بیان کرتا ہے۔

جب امام علی علیہ السلام کوفہ منتقل ہوئے تو حبیبؑ ابن مظاہر بھی آپ کے ساتھ کوفہ آگئے تھے اور آپؑ کی رکاب میں حبیبؑ نے تمام جنگوں میں شرکت کی۔

حبیبؑ ابن مظاہر کا شمار امام علی علیہ السلام کے شُرطۃ الخمیس میں ہوتا تھا اور شرطۃ الخمیس امام علی علیہ کے جانبازوں کا وہ گروپ تھا جس کے ذمہ جنگوں میں لشکر کے ان پانچ حصوں مقدمہ، ساق، قلب، میمنہ اور میسرہ کی ذمہ داری ہوتی تھی، انہوں نے امام علیؑ کے لئے اپنا خون اور جان دینے کا عہد و پیمان کیا ہوا تھا اور امام علیؑ نے ان سے کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔

اصبغ بن نباتہ (کہ جن کا تعلق اسی شُرطۃ الخمیس سے تھا) سے سوال کیا گیا کہ تمہیں شُرطۃ الخمیس کیوں کہا جاتا ہے، تو اصبغ بن نباتہ نے جواب دیا کہ: **انّا ضمنّا لہُ الذّبح و ضمن لنا الفتح**۔ کیونکہ ہم نے امیر المومنین علیہ السلام کے لئے اپنا خون اور جان دینے کا عہد و پیمان کیا ہے اور امام علیؑ نے ہم سے فتح و کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔[1]

حبیبؑ ابن مظاہر کا تعلق امام علی علیہ السلام کے خاص چنندہ اصحاب سے تھا، الاختصاص میں شیخ مفید نے امام علی علیہ السلام کے ان خاص چنندہ اصحاب کے نام ذکر کئے ہیں جن میں حبیبؑ ابن مظاہر اسدی کا نام بھی شامل ہے، وہ نام یہ ہیں:

عمرو بن حَمِق خزاعی، میثم تمار، رُشید ہَجَری، حبیبؑ ابن مظاہر اسدی، محمد ابن ابی بکر۔[2]

حبیبؑ ابن مظاہر کا شمار راویان حدیث میں ہوتا ہے، حبیبؑ ابن مظاہر بہت پارسا اور عابد شب زندہ دار تھے۔

حبیبؑ ابن مظاہر کے بارے میں خطباء حضرات ایک ایسی روایت بیان کرتے ہیں جو حبیبؑ کے مذکورہ تمام فضائل و کمالات پر سوالیہ نشان لگادیتی ہے اور اس روایت کا خلاصہ ہے کہ: امامؑ نے کربلا میں حبیبؑ ابن مظاہر کو خط بھیج کر بلایا۔۔۔

دیگر انصارِ حسینی اور حبیبؑ کے ساتھی مسلم بن عوسجہ تو کربلا میں خود سے حاضر ہوگئے، لیکن کربلا کی بنیاد رکھنے والا عاشقِ حسین علیہ السلام کوفہ میں بیٹھ گیا اور اسے خط بھیج کر بلانے کی نوبت آگئی!؟

اتنے فضائل و کمالات کے حامل شخص اور اہل بیت عصمتؑ و طہارت کے مخلص خدمت گزار سے کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اتنے پر آشوب حالات میں جن کا خود شاہد ہے اور باریک بینی سے مطالعہ کر رہا ہے، نصرتِ امامؑ میں نہ جاکر کوفہ میں دسترخوان بچھا کر بیٹھے گا اور پھر امام حسینؑ اُسے خط بھیج کر بلائیں گے!

خط بھیج کر حبیبؑ کو بلانے والی روایت کو اگر ہم صحیح مان لیں تو کیا حبیبؑ مقصر قرار نہیں پاتے ہیں!؟

کیا اس روایت سے ہم حبیبؑ ابن مظاہر کے مرتبے کو کم نہیں کر رہے ہیں؟

ایسا شخص جس نے امام علی علیہ السلام سے اُن کے لئے خون بہانے اور جان دینے کا عہد و پیمان کیا ہو کیا وہ امام علی علیہ السلام کی اولاد کو تنہا چھوڑ کر کوفہ میں بیٹھ سکتا ہے!؟

---

[1] الاختصاص، شیخ مفید، جلد1، صفحہ 65

[2] الاختصاص، شیخ مفید صفحہ جلد1، صفحہ3

کیا حبیبؑ ابن مظاہر امام حسین علیہ السلام کے بچپن کے دوست اور صحابی نہ تھے؟ کیا امام کے کسی دوست اور صحابی سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دے گا جبکہ وہ خود کوفہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے اور امام حسینؑ کے نمائندے حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ میں داخلے کے بعد مسلم بن عوسجہ کے ساتھ مل کر امام کے لئے کوفہ اور مضافات والوں سے بیعت لینے میں مشغول تھے اور عاشقانہ جناب مسلم کی حمایت کر رہے تھے۔

یہ وہی حبیبؑ ابن مظاہر ہیں جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے دوسرے اصحاب کے ساتھ کربلا میں دشمن کا امان نامہ ٹھکرا دیا تھا، ان لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ:

اگر حسین علیہ السلام قتل ہوگئے تو رسول خداؐ کے حضور ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔ [1]

جس حبیبؑ کو امام حسین علیہ السلام کی رسول خداؐ سے قربت کا اتنا خیال ہو کیا وہ نواسہ رسولؐ کو تنہا چھوڑ سکتا ہے؟

علامہ حسین کورانی لکھتے ہیں کہ: سید الشہدا کی تحریک کے بارے میں فقط اہل البیتؑ کے افراد میں آمادگی اور تیاری کی بات نظر نہیں آتی بلکہ وہ تمام افراد جو اہل البیتؑ سے وابستہ تھے ان میں بھی یہ بات موجود تھی، جیسے جناب سلمان فارسی یا جناب ابا ہلی کہ انہوں نے جناب زہیر بن قین کو کربلا کے لئے پہلے ہی سے تیار کر دیا تھا، اسی طرح جناب میثم، رُشید ہجری، حبیبؑ ابن مظاہر اور ان کے علاوہ دوسرے افراد جو کربلا کے لئے تیار ہوتے رہے، بالآخر درجہ شہادت پایا۔ [2]

جب جناب مسلم بن عقیل کا کوفہ میں داخلہ ہوا تو شیعوں نے آپ سے ملاقاتیں شروع کیں، مسلم بن عقیل کوفہ کے شیعوں کو امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سناتے تو یہ شیعہ رونے لگتے، اس موقع پر جناب مسلم بن عوسجہ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور جناب مسلم بن عقیل کو امام حسینؑ پر جان قربان کر دینے کا یقین دلایا۔۔۔ ان کے بعد حبیبؑ ابن مظاہر کھڑے ہوئے اور مسلم بن عوسجہ کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ: اے عابس! آپ نے جو کچھ اپنے دل کی بات تھی اسے بہت ہی مکمل اور اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور میں بھی اس اللہ کی قسم کھاتا ہوں جو "لا الہ الا ھو" ہے میری بات بھی یہی ہے جو تمہاری ہے۔ [3]

وہ حبیبؑ جو کربلا سے پہلے کوفہ میں امام حسینؑ پر جان قربان کر دینے کی قسمیں کھا رہے ہیں کیا وہ امامؑ کو تنہا چھوڑ کر کوفہ میں بیٹھے رہ سکتے ہیں!؟

---

[1] رجال الکشی، شیخ طوسی، جلد 1، صفحہ 293

[2] محراب کربلا، تحقیق علامہ حسین کورانی، ترجمہ سید افتخار حسین نقوی نجفی، صفحہ 79، ناشر نظامی پریس لکھنو

[3] محراب کربلا، تحقیق علامہ حسین کورانی، ترجمہ سید افتخار حسین نقوی نجفی، صفحہ 129، ناشر نظامی پریس لکھنو
ابصار العین فی انصار الحسین، شیخ محمد سماوی، جلد 1، صفحہ 102

تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ حبیبؑ ابن مظاہر اور مسلم ابن عوسجہ کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کے لئے بیعت لے رہے تھے، جب کوفہ میں ابن زیاد داخل ہوا اور اس نے انقلاب کوفہ کو کچل دیا تو مسلم ابن عوسجہ اور حبیبؑ ابن مظاہر مخفیانہ طور پر کوفہ سے خارج ہوگئے اور امام حسینؑ سے جا ملے، یہ دونوں دن میں چھپ جاتے تھے اور رات میں سفر جاری رکھتے تھے، یہاں تک کہ یہ دونوں امام حسین علیہ السلام سے جا ملے [1]۔

اعیان الشیعہ میں سید محسن الامین لکھتے ہیں کہ: حبیبؑ ابن مظاہر جب امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں ورود سے آگاہ ہوئے تو رات کی تاریکی میں مسلم بن عوسجہ کے ساتھ کوفہ سے کربلا کے لئے نکل گئے، دن میں پوشیدہ ہوجاتے تھے اور رات میں سفر جاری رکھتے تھے، بالآخر کربلا میں امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ [2]

حبیبؑ ابن مظاہر کو خط بھیج کر کوفہ سے کربلا بلانے والی روایت قدیمی مصادر میں موجود نہیں ہے بلکہ صرف متاخرین نے "ادب الحسین" "بلاغۃ الحسین" اور "فرسان الھیجاء" وغیرہ کتابوں میں اس کو ذکر کیا ہے۔

یہ روایت مقدمہ کربلا کی بنیاد رکھنے والے انقلابی سوچ کے مالک حبیبؑ ابن مظاہر کو ایسا ثابت کرتی ہے جیسے حبیبؑ بھی دوسرے کوفیوں کی طرح نہضت امامؑ سے بے پرواہوں، جبکہ حبیبؑ ابن مظاہر کربلا کے معماروں میں سے ہیں اور کربلا کی تعمیر میں آپ کا بہت اہم کردار ہے، کیونکہ امام حسینؑ نے مدینہ سے مکہ کے لئے ہجرت فرمائی تھی، ظاہراً عراق کا ارادہ نہیں فرمایا تھا! یہ حبیبؑ ابن مظاہر اور آپ کے ساتھیوں کا کوفہ سے لکھا گیا وہ خط تھا جس میں امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی گئی تھی، اس کے بعد کوفہ سے اور بھی خطوط آئے تب امام علیہ السلام نے عراق کے بارے میں سوچا اور قدم اٹھایا جس کی وجہ سے کربلا وجود میں آئی۔

اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ حبیبؑ ابن مظاہر اور آپ کے ساتھیوں کا تعمیرِ کربلا میں بہت اہم کردار تھا۔

---

[1] (ابصار العین فی انصار الحسین، شیخ محمد سماوی، جلد1، صفحہ102)

[2] اعیان الشیعہ، سید محسن الامین، جلد 4، صفحہ 544

جوانوں کا بہترین ایڈیل

حضرت۔ علی اکبر علیہ السلام

حسن رضا مظفر نگری

ہرانسان فطرتا کسی نہ کسی کو اپنا آئیڈیل اور رول ماڈل مان کر اسکے نقش قدم پر گامزن اور اس جیسا بننے کی کوشش میں زندگی گزارتا رہتا ہے۔ اورانسان نوجوانی،جوانی سے 40 سال (عقلی طور پر بالغ ہونے) کی عمر تک اپنا رول ماڈل طے کرلیتا ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ ہرانسان کی اچھی یابری زندگی اسکی تربیت کا آینہ ہے اور تربیت میں گھرانہ،ماحول ومعاشرہ اورآئیڈیل کا بنیادی رول ہوتا ہے،جس کو گھرانہ،ماحول ومعاشرہ اورآئیڈیل جتنا اچھا مل جایگا وہ دنیاوآخرت میں کامیاب وکامران ہوگا۔ ذلك هوالفوز العظيم.

یوں توانسان کے لیےاللہ کی طرف سے سندیافتہ انبیاء کرام خصوصاچہاردہ معصومین علیہم السلام انسان کامل ایڈیل ونمونہ ھیں۔ ان جیسا توکوئی ہوہی نہیں سکتاہم چونکہ ہم خاطی ہیں امام حسین علیہ السلام جیسے انسان کامل کی گود میں تربیت یافتہ محفوظ ومصون عن الخطاحضرت علی اکبر بن الحسین علیہما السلام کواپنا آئیڈیل ونمونہ مان کر دارین کی کامیابی سمجھتے ہیں۔

خاندان عصمت وطہارت کی ممتاز وبے مثال شخصیت جناب علی اکبرؑ بن حسین بن علی علیہم السلام تاریخ اسلام کا بیحد چمکدار اور ایساپرنور چہرہ ہیں جنھوں نے تاریخ کے صفحات پر انسانی سعادت سے بھرپور ابد الاباد اسباق ونقوش رقم کردیئے۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام ایسے عظیم المرتبہ امام زادے ہیں جو احادیث وروایات کے مطابق شکل،صورت،سیرت،رفتاروگفتار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے[1]

شاید بعض لوگ سوچیں کہ جناب علی اکبرع چونکہ امام حسینؑ کے بیٹے اور خانوادہ عصمت وطہارت میں پیدا ہوے، پلے بڑھے تو ان کو تو اتنا اچھا ہونا ہی تھا۔ ان لوگوں کو یہ حقیقت مدنظر رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم اور تاریخ نے ایسے لوگوں کی داستانیں بیان کی ہیں کہ جواولوالعزم نبی یاامام زادہ ہونے کے باوجود اپنے باپ دادا کی اچھی صفات اپنا بہشتی بننے کے بجاے شیطانی راہ پر چل کر جہنمی بن گئے۔[2]

---

[1] اللھوف سید ابن طاوس ص113۔ مقتل خوارزمی ج۔2 ص۔34

[2] ۔سورہ ہود آیت46

لہذا جوانوں کے سامنے قرآن و تاریخ میں اچھی اور بری مثالیں موجود ہیں قرآنی اہلبیتی تربیت قطعا بغیر جہد مسلسل کے حاصل نہیں ہو سکتی حتی اگر انسان کائنات کے بہترین والدین سے پیدا ہو بہترین خاندان والا ہو مگر جب تک خود میں اچھی تربیت اور اعلی اخلاقی فضائل کسب کرنے ہر ممکن کوشش و صلاحیت ہیں ہو گی اور بری تربیت، اخلاقی رذایل اور ان کے خطرات سے دوری نہ ہو گی نبی و امام زادہ ہوتے ہوے جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے

جناب علی اکبرؑ کی قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی سیرت والی زندگی کے ہزاروں نمونوں میں سے چند اہم ترین نمونے پیش خدمت ہیں۔

1۔ خالص توحید والے ماحول کے پرورش یافتہ۔

جناب علی اکبرؑ طرہ امتیاز ہے کہ آپ ایسے گھرانے میں پیدا، پلے بڑھے اور پروان چڑھے کہ جسکو قران کریم نے "فی بیوت اذن اللہ آن ترفع..." کی سند دی. امام حسین علیہ السلام نے جناب علی اکبر علیہ السلام کی تربیت مکمل طور پر قرآنی معیاروں اور تربیت کے تمام اصول و ضوابط پر کی ہے اسی بنا پر وہ اخلاق الٰھیہ اور آداب اسلامی کا مکمل مرقع تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا ایسا اعلی ترین اہتمام و انتظام کیا جو ہم سب کے لیے تاقیامت درس ہے کہ جب عبد الرحمن سلمی کے علی اکبر علیہ السلام کو سورہ حمد سکھانے کے بعد علی اکبر علیہ السلام نے اپنے بابا کو سورہ حمد سنایا نے اس کار عظیم کی جزاء کے طور جناب علی اکبر علیہ السلام کے استاد (عبد الرحمن سلمی) کو بہت ہی عظیم و نفیس انعامات سے نوازا۔[1]

یہ بات جناب علی اکبر علیہ السلام کی قرآنی تربیت والی سیرت کی بہترین گواہ ہے کہ توحید خالص والے ماحول میں تربیت پانے والے علی اکبرؑ صورت، سیرت، رفتار و گفتار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔[2]

لہذا تمام والدین اپنے بچوں کو امام حسین علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے سیرت علی اکبرؑ پر گامزن کریں۔

2۔ شھادت تک ولایت کے شانہ بہ شانہ۔

جناب علی اکبر علیہ السلام کی قرآن محور، اخلاقی عظیم صفات و خصوصیات میں سے ایک بہت عظیم خصوصیت خون کے آخری قطرہ اور زندگی کے آخری سانس تک اپنے مولا و امام کے شانہ بہ شانہ ہونا ہے۔ جو باطل اور دشمن خدا اور سول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدمقابل اعلی پیمانہ کا ولایت مدار، راہ ولایت و امامت کا شہادت پانے والا نہایت مضبوط سپاہی ہے جسکے یہاں ذرہ برابر ہار کا تصور پایا ہی نہیں جاتا۔ ایسی ہستیوں میں رکاب ولایت میں بس یا تو دشمن کو فی النار کرنا یا ولایت کے فولادی ہو کر جام شہادت نوش کرنا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو کامیابی کی سند کے طور پر بیان فرمایا ہے:

---

[1] ۔مناقب شہر اشوب ج.4 ص. 66 . دیوان امام علی ع ص.72۔ بحار الانوار. ج.44. ص191. ح.3

[2] ۔اللھوف سید ابن طاوس. ص.113.

"من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا"[1]

مومنین میں کچھ ایسے مرد (میدان) ہیں جو اللہ سے سچائی سے کئے ہوے عہد پر ڈٹے ہوے ہیں۔ ان میں سے بعض راہ خدامیں جام شھادت نوش کر چکے۔ اور بعض راہ خدا میں شہادت پانے کے منتظر ہیں۔ اور انھوں نے جو اللہ سے عہد کیا ہے ذرہ برابر تبدیلی کے بغیر عہد بند ہیں۔

اسی زمرہ میں بعض مفسرین کی بیان کردہ روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام بعض شہداء کربلاء کی آوازاستغاثہ، سلام اخر سنکر جب انکے سرہانے پہونچے تو اسی آیت کی تلاوت فرما کر تائید شہادت اور سند قبولیت عطافرمارہے تھے۔[2]

3۔ بصیرت، حق پرستی، دشمن شناسی۔

جناب علی اکبر علیہ السلام کی قرآنی اور حسینی علیہ السلام اخلاق پر مبنی سیرت میں بصیرت، حق وباطل اور دشمن کی شناخت نہایت عظیم خصوصیت تھی۔ انھوں نے جہادوانقلاب حسینی علیہ السلام کا بہت عمیق ودقیق تجزیہ کر کے سنہ 61ھ میں کربلاء میں حق وباطل کی مکمل شناخت کرتے ہوے خوداپنی بصیرت کے دم پر راہ حق پر ڈٹ کر باطل کو فی النار کیا جناب علی اکبر علیہ السلام کی یہ حق وباطل کی شناخت اوراعلی درجہ کی بصیرت گوکہ اپنے والد امام حسین علیہ السلام کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

بلکہ دوسری عبارت میں یہ کہا جائے کہ انکی اپنی ذاتی لیاقت وصلاحیت کی روشن دلیل بھی ہے۔ چونکہ مدینہ سے کربلا کی طرف چلتے وقت، مکہ، راہ کربلامیں بار بار امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس سفر کا مقصد نانا کے دین کو بچانے کی خاطر شہادت دینا بتایا ہے قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرہ انا ومن اتبعنی[3] کہہ دو یہ میرا راستہ ہے میں اومیرے پیرو کار مکمل بصیرت کے ساتھ تمام لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں

جناب علی اکبر علیہ السلام کی بصیرت، حق وباطل اور دشمن شناسی کو حتی ہم میدان کارزار میں دیکھ سکتے ہیں کہ فوج یزیدی میں سے کسی نے آپ کو ماں کی نسبت سے ان کو بنی امیہ سے قربت کا حوالہ دیا[4] اور ماں کی طرف سے بنی امیہ سے رشتہ داری بتا کر ان کو پناہ وامان دینے کا مشورہ دیا تو جناب علی اکبر علیہ السلام نے دشمن کو منہ توڑ جواب دیا اور دھتکارتے ہوئے فرمایا:

"ان قرابہ رسول اللہ احق آن یراعی"[5] بس اور بس نبی اکرم ﷺ سے قرابت ورشتہ داری کا پاس ولحاظ ہونا چاہیے۔

---

1 ۔ سورہ احزاب آیت .23.

2 ۔ تفسیر نورالثقلین .ج .4. ص .259. تفسیر نمونہ .ج .17. ص .247.

3 ۔ سورہ یوسف . ایت .108

4 ۔ مقاتل الطالبین ص .86.

5 ۔ مقتل آبی مخنف . ص .276.

اسی طرح بعض تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ عمر ابن سعد لعنۃ اللہ علیہ جناب علی اکبر علیہ السلام کو میدان جنگ میں دیکھ کر کہنے لگا تمھارے لیے امان ہے تم واپس چلے جاؤ تو انھوں نے اس ملعون کو یہ کہتے ہوے منہ توڑ جواب دیا۔ اللہ کی تم پر لعنت ہو۔ پسر رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو امان نہیں۔ اور میرے لیے امان کی بات کرتے ہو۔!!

4۔ ایثار، محبت اور انسان دوستی

یہ صفت بہت ہی خاص لوگوں میں پائی جاتی ہے جو انسان کو خلیفہ اللہ مان کر انسان سے خدا کے لیے محبت کرتے ہیں۔ اور انسان وانسانیت کے لیے اپنا سب کچھ حتی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ جناب علی اکبر علیہ السلام کی رگ وخون میں یہ صفت مکمل طور پر تھی۔ ان کی روح مطہر تمام صفات حمیدہ کا آینہ دار تھی تاریخ گواہ ہے کہ وہ جان بر کف ہو کر پانی پر دشمن کے پہرے کی پرواہ کئے بغیر عورتوں، بچوں ماؤں، بہنوں کے لیے پانی لانے کی کوششیں کرتے ہیں[1]

جناب علی اکبر علیہ السلام کے ایثار کو آپ یوں ملاحظہ کریں کہ انھوں نے اپنی جان باباجان پر فدا کرنے کے لیے شہادت کی اجازت طلب کی۔ الحق اگر جناب علی اکبر علیہ السلام کی شہادت نہ ہوتی تو انسانیت تباہ ہو جاتی۔ اسکی دلیل ہمیں زیارت اربعین حسینی میں یوں ملتی ہے:

"وبذل مهجته فيك ليستنقذ عبادك من الجهاله وحيره الضلاله"[2]

امام حسین علیہ السلام نے راہ خدا میں اپنے دلبند و پارہ جگر کو پیش کیا تاکہ تیرے بندوں کو جہالت، حیرانی سرگردانی اور گمراہی سے بچادیں۔

اس میں ہر باپ اور ہر جوان کے لیے نایاب درس ہیں۔ باپ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت زندگی کے اعلی ترین مقصد یعنی دین آموزی، اس کی مکمل پابندی، پاسداری، حفاظت اور دین کے لیے شہادت پیش کرنا ہو۔

نوجوان نسل کے لئے یہ نہایت عظیم درس ہے کہ جناب علی اکبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر دین الہی کے کام آنے کے لیے تعلیمات قرآن و حکمت اور اخلاق و علوم ال محمد علیہم السلام سے آراستہ و عمل پیرا ہو کر آئیڈیل و نمونہ بنیں۔ اس میں جناب علی اکبر علیہ السلام کے ذاتی کمالات کا بہت بڑا دخل ہے۔

5۔ شجاعت و بہادری۔

یہ عظیم صفت بھی بہت سی اچھی صفات کا مظہر ہے جناب علی اکبر علیہ السلام کے اندر شجاعت و بہادری نسلی و خاندانی ہونے سے قطع نظر خود ذاتی اور دینی والہی تربیت کے نتیجہ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ کہ حق پر ڈٹ جاو اور باطل و دشمن دین الہی کو مٹی میں

---

[1] - آمالی صدوق. ص.220. ح.239. بحارالانوار. ج44. ص.316. ح.1

[2] تہذیب الاحکام. طوسی. ج.6. ص113. ح.201

ملادو۔ انھوں نے درس دیا کہ دشمن خدا اور رسول و قران کی کثرت سے ہرگز گھبرانا نہیں چاہیے حق کے دفاع میں انکی شجاعت کا عالم یہ تھا کہ ان کا مقابلہ کرنے کی دشمن ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ علی اکبر علیہ السلام کو ایک حرامی نسب نے وہ بھی چھپ کر وار کر کے شہید کیا اس اکیلے کی جرات نہیں ہوتی۔

جب میدان وغا میں جناب علی اکبر علیہ السلام کی بہادری اور تلوار چلانے کے جوہر دیکھے تو دشمن حواس باختہ ہو گیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملکر سب نے جناب علی اکبر علیہ السلام پر چھپ کر پیچھے سے وار کیا۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا پوتا دشمن کی بزدلانہ کمینگی کا شکار ہو کر شہید ہوا۔[1]

میر انیس اعلی اللہ مقامہ

شبیرؑ کی پیری کے عصا تھے علی اکبر

***

ہم صورتِ محبوب خدا تھے علی اکبر
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علی اکبر
شبیرؑ کی پیری کے عصا تھے علی اکبر
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علی اکبر
جلوہ رخ پر نور پہ تھا نورِ نبی کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہرا و علی کا

1 - تاریخ طبری۔ ج.6. ص64 . ذوب النضار ص.119. بحار الانوار. ج45 ص.375.

جناب عباسؑ

اطاعت و فرمانبرداری امامؑ کے لیے نمونہ عمل

سید منظور عالم جعفری سرسوی

مقدمہ

اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے اگر دنیا میں کسی غیر معصوم کی مثال پیش کرنا چاہیں جو دنیا کے ہر انسان کے لیے نمونہ عمل ہو، تو وہاں صرف جناب عباسؑ کی ذات والا صفات ہے جو کہ اطاعت امام علیہ السلام میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ اخلاص، استحکام، ثابت قدمی اور استقلال اور اطاعت فرمانبرداری میں نمونہ عمل اور بہترین آئیڈیل ہیں۔ آپ صرف ایک لشکر کے علمبردار نہیں بلکہ مکتب اطاعت و فرمانبرداری کے سپہ سالار ہیں۔ آپ نے تمام دنیا کے ہر انسان کو درس اطاعت، وفاداری، جانثاری اور فداکاری دیا ہے۔

اگرچہ واقعہ کربلا کو چودہ سو سال کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن تاریخ حضرت عباس بن علی علیہما السلام کے کمالات کو مٹا نہیں پائی۔ آج بھی جناب عباس کا نام عباس نہیں وفا ہے، ایثار ہے اطاعت ہے تسلیم ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی ذات بابرکت، فضائل و کمالات کا وہ سمندر ہے کہ ایک یا چند مقالوں سے اس عظیم شخصیت کے کسی ایک پہلو پر بھی سیر حاصل بحث نہیں کی جاسکتی، لیکن عربی زبان کے اس مشہور و معروف مقولہ «مالا یدرك كله لا يترك كله» کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ حضرت عباس علمدار کی ایک اہم ترین صفت (اطاعت و فرمانبرداری امام حسین علیہ السلام) کے ذیل میں کچھ مطالب بیان کروں، تاکہ میں اور آپؑ کے چاہنے والے اپنی زندگی کو کسی حد تک ان کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور انہیں راہ حق پر چلنے کے لیے نمونہ عمل قرار دیں۔

جناب عباس علیہ السلام اور دور امامت حضرت علی علیہ السلام

حضرت عباسؑ کی مہم ترین صفات میں سے ایک صفت اپنے زمانے کے امام کی شناخت اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری محض تھی۔ اسلامی تاریخ کے تلخ ترین لحات میں آپؑ نے آنکھیں کھولیں حضرت عباس کی ولادت اگر 23 سن ہجری کو درست مانی جائے تو آپ عمر کی حکومت کے آخری سالوں میں پیدا ہوئے،

اسی طرح آپ نے عثمان کے دور خلافت کو بھی درک کیا، اور آپ نے لوگوں کو حکومت عدل علوی کی برقراری کی طرف متوجہ اور اپنے بابا کے حق میں لوگوں کی بیعت کے مناظر کا بھی مشاہدہ کیا، حضرت عباس اپنے

دونوں بھائیوں امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان حالات میں بہترین کردار ادا کرتے رہے اور ایک لحظے کے لیے بھی نصرت واطاعت فرمانبرداری امام علی علیہ اسلام سے روگردانی اختیار نہیں کی۔

حضرت عباس نے اپنے بابا کی مظلومانہ شہادت کو بھی دوسرے بھائیوں کی طرح برداشت کیا اور بستر شہادت میں دوسرے فرزندوں کی طرح آپؑ نے بھی اپنے بابا کی وصیتوں کو سنا اور ان کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں حفظ کیا اور آخری سانس تک ان پر عمل پیرا رہے۔

جناب عباس علیہ السلام اور دور امامت حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام

امام حسن مجتبی علیہ السلام کی زندگی کے تمام حالات اور مشکلات میں آپؑ اپنے بھائی امام حسن کے ساتھ کھڑے رہے۔ اور امام کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے رہے ،آپ پکار پکار کر لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کررہے تھے لیکن جہالت اور خوف ودہشت میں سوئے لوگ بیدار نہ ہوسکے۔

جناب عباس علیہ السلام اور دور امامت حضرت امام حسن علیہ السلام

28صفر سن 50 ہجری کو امام حسن کی شہادت واقع ہوئی، امام حسین، ابوالفضل العباس اور دوسرے بنی ہاشم بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ امام حسنؑ کے بدن پاک کو مسجد النبی ﷺ کی طرف لیکر چلے ظالموں نے جنازے پر تیر باران کر کے آپ کے جنازے کی بے حرمتی کی ،اس منظر کو دیکھ کر حضرت عباس کو جلال آگیا اور اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکال لیا، لیکن کیونکہ حضرت عباس کی شجاعت ہمیشہ اطاعت امام کے سایہ تلے تھی، امام حسین کے حکم پر آپؑ نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھا۔

آپؑ ہمیشہ سائے کی طرح امام حسین مظلوم کربلا کے ہمراہ رہے ،آپ نے کبھی بھی امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو اپنے بھائی ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھا، بلکہ ان کو فرزندان رسول خدا ﷺ و بتول سلام اللہ علیہا و واجب الاطاعت امام سمجھ کر ان کی اطاعت و نصرت میں ہمہ وقت مصروف عمل رہے۔ اور اپنے خون کے آخری قطرہ تک اپنے امام کی اطاعت اور ان کے اہداف کی تکمیل میں نچھاور کیا۔

آپؑ کے زیارتنامہ میں امام صادق علیہ السلام سے منقول یہ جملات اس امر کی روشن دلیل ہیں کہ آپ اطاعت و فرمانبرداری میں کس قدر آگے تھے۔

«**السَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِيعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ**»

تم پر سلام اے اللہ کے صالح بندے، خدا اور اس کے رسول کے مطیع وفرمانبردار، اور امیر المومنین، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے حقیقی پیروکار[1]

[1] بحار الانوار-علامہ مجلسی- جلد ۹۸- صفحہ ۲۷۷

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے فقرات سے واضح ہوتا ہے، کہ حضرت عباس علیہ السلام نے فقط بھائی و رشتہ دار اور فرزند رسول سمجھ کر امام حسین کی نصرت نہیں کی بلکہ آپ امام حسین علیہ السلام کو حجت خدا اور امام علیہ السلام واجب الطاعۃ سمجھ رہے تھے، لہٰذا امام جعفر صادق نے مذکورہ بالا الفاظ میں آپ کو مخاطب فرمایا۔ حضرت عباسؑ جانتے تھے کہ دین خدا، امام حسین کی وجہ سے قائم ہے۔امام حسینؑ ہی دین کے ستون ہیں۔ وہ دین خدا اور شریعت پیامبر ﷺ کی بقاء کیلئے جہاد کر رہے ہیں اس خاطر حضرت عباس جان و دل سے فرزندان رسول خدا ﷺ اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی بیٹیوں کی حمایت کر رہے تھے جیسا کہ آپ نے خود فرمایا:

«وَاللهِ إِنْ قَطَعْتُموا يَمِينِي إِنِّي أُحامِي أَبَداً عَنْ دِينِي»

خدا کی قسم اگر میرے بازووں کو کاٹو تو بھی میں اپنے دین، اپنے امام حق اور یقین اور فرزند دختر پیامبر پاک ﷺ و امین کی حمایت کروں گا[1]

حضرت عباس کی اطاعت و فرمانبرداری کے چند نمونے:

یوں تو حضرت عباسؑ کی پوری زندگی اطاعت و فرمانبرداری سے لبریز ہے لیکن حضرت عباسؑ کی یہ اطاعت و فرمانبرداری سانحہ کربلا میں کچھ منفرد انداز میں نکھر کر سامنے آئی دوست ہوں یا دشمن کوئی بھی آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ مندرجہ ذیل سطور میں حضرت عباسؑ کی اطاعت و فرمانبدرای کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

ا۔ امان نامہ کا ٹھکرانا:

عصر تاسوعا (نو محرم) شمر ملعون چارہزار فوج کے ہمراہ دشت نینوا پہنچا، اور حضرت عباسؑ کو آواز دی لیکن حضرت عباسؑ نے اس کی پکار پر کوئی توجہ نہیں دی، لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے کہا میرے عزیز بھائی دیکھو شمر آپ سے کیا کہنا چاہتا ہے؟

آپؑ نے اپنے امامؑ کی اطاعت میں آگے بڑھ کر شمر سے کہا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

شمر ملعون نے کہا اے عباس! میں نے ابن زیاد تمہارے اور تمھارے بھائیوں کیلئے امان نامہ لے لیا ہے، لیکن اپنے آپ کو حسینؑ سے الگ رکھئے۔

حضرت عباسؑ یہ سن کر غیض و غضب میں آگئے اور شمر سے فرمایا:

«تَبَّتْ يَدَاكَ وَلُعِنَ مَا جِئْتَ بِهِ مِنْ أَمَانِكَ يَا عَدُوَّ اللهِ أَتَأْمُرُنَا أَنْ نَتْرُكَ أَخَانَا وَسَيِّدَنَا الْحُسَيْنَ بْنَ فَاطِمَةَ ع وَنَدْخُلَ فِي طَاعَةِ اللُّعَنَاءِ وَأَوْلَادِ اللُّعَنَاءِ»

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۱۰۸، بحار الانوار، ج ۴۵ ص ۴۰

تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور لعنت ہو اس امان نامہ پر اور اس پر کہ جس سے یہ امان نامہ لے کر کے آیا ہے، اے دشمن خدا کیا تو ہمیں یہ حکم دے رہا ہے کہ ہم اپنے بھائی و مولا اور فاطمہ (ع) کے لخت جگر کو تنہا چھوڑ کر لعنت شدگان اور لعنت شدگان کے فرزندوں کی اطاعت کے زمرے میں داخل ہو جائیں۔ [1]

جناب عباس کے یہ جملات آپ کی شجاعت اور اطاعت وفرمانبرداری کی واضح دلیل ہیں۔

۲۔ شب عاشورا کو اعلان اطاعت وفرمانبرادری:

محرم کی دسویں رات امام حسینؑ نے اپنے تمام اعوان وانصار کو یکجا کیا اور اس حساس موقع پر فرمایا:

«إنّي لا أعلمُ أصحاباً أوفي ولا خيراً مِن أصحابي»

میں اپنے اصحاب اور خاندان سے بڑھکر وفادار اور بہتر کسی کے خاندان اور اصحاب کو نہیں سمجھتا، اللہ تعالی آپ سب کو جزائے خیر عنایت فرمائے [2] لیکن آگاہ رہو یہ سب صرف میرے خون کے پیاسے ہیں، میں آپ سب کو اجازت دیتا ہوں اور اپنی بیعت کو آپ لوگوں سے اٹھاتا ہوں تاکہ آسودگی اور بغیر ملامت کے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنا راستہ اختیار کرو اور چلے جاؤ۔

امام کا خطبہ ابھی آخر کو نہیں پہنچا تھا ایک جوش وجذبہ اہلبیتؑ واصحاب امام کے اندر وجود میں آیا، حضرت ابوالفضلؑ نے سب سے پہلے سکوت کو توڑا اور اہلبیتؑ کی نمائندگی میں بولے:

«فبدا القول العباس بن علي عليه السلام فقال له: لم نفعل ذلك؟ لنبقى بعدك؟ لا اراناَ الله ذلك ابدا»

آقا کبھی بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں [3]۔

۳۔ نہر فرات پر اطاعت امام علیہ السلام:

روز عاشورا جب متعدد بار اصرار کرنے کے باوجود جناب عباس کو جنگ کی اجازت نہیں ملی اور آپ کا اصرار بڑھا تو امام علیہ السلام نے یہ کہکر کہ خیموں میں چھوٹے بچے تشنہ لب ہیں ان کے لئے کچھ پانی کا بندوبست کرو فرات تک جانے کی اجازت دی۔ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائی امام حسینؑ کے ماتھے کو چوما اور فوج اشقیا کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات تک پہنچے، مشکیزہ کو پانی سے بھرا ایک چلو پانی کا لیا اور پینے کا ارادہ کیا

1 نفس المھموم، صفحہ ۲۰۲

2 منتھی الآمال، ج ا، ص ۲۴۶

3 منتخب میزان الحکمہ، محمدی ری شہری، ص ۴۰۰

«فذ کر عطش الحسین علیہ السلام و من معہ فرقی الماء»[1] ایک دفعہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھ موجود افراد (چھوٹے چھوٹے بچوں) کی پیاس یاد آئی۔ پانی کو نہر فرات میں پھینک دیا اور اپنے نفس سے یوں مخاطب ہوئے:

«یانفس من بعد الحسین ھونی و بعدہ لا کنت ان تکونی

وھذا الحسین وارد المنون وتشربین بارد المعین،

تاالله ما ھذا فعال دینی» [2]

اے نفس حسینؑ کے بعد ذلت و خواری تری نصیب ہو 'حسینؑ کے بعد زندہ رہنے کیلئے تو باقی نہ رہے۔

حسین علیہ السلام (تشنگی کی وجہ سے) موت کے دھانے پر جا پہنچے ہیں اور تو ٹھنڈا پانی پی رہا ہے،

خدا کی قسم یہ کام عباس کے دین اور آئین (اطاعت) میں شامل نہیں، پھر ایک نعرہ لگاتے ہوئے فرمایا: «

واللہ لا اذوق الماء وسیدی الحسین عطشانا»[3]

اللہ کی قسم میں پانی نہیں پیوں گا درحالیکہ میرے آقا حسین علیہ السلام پیاسے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم ایمان اور یقین کے منزلوں تک پہنچنے اور انسان کامل بننے کے لیے راہنمائی کے محتاج ہیں۔ ہماری روح تشنہ ہدایت ہے ہمارے دل مشتاق کمال ہیں۔ خداوند عالم نے اولیاء الٰہی کو ہمارے لیے مشعل راہ اور نمونہ عمل بنایا ہے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کی طرف رجوع کریں، اور اللہ کے شاکرین بندوں میں سے ہو جائیں۔

حضرت عباس بھی ان ہی اولیاء الٰہی میں سے ایک ہیں جو ہر اس انسان کے لیے مشعل راہ ہیں اور ہر اس تشنہ ہدایت کے لیے ہادی برحق ہیں جو اللہ کا تقرب چاہتا ہے۔

جناب عباس نہ صرف شجاعت اور جنگ کے میدان میں نمونہ عمل اور آئیڈیل ہیں۔ بلکہ ایمان اور اطاعت و فرمانبرداری حق کی منزل میں، عبادت اور شب زندہ داری کے میدان میں اور علم اور معرفت کے مقام پر بھی انسان کامل ہیں۔

1. کبریت الاحمر، ص 159؛ منتخب التواریخ، ص 258

2. ناسخ التواریخ، ج 2، ص 345

3. بحار الانوار، ج 45، ص 41؛ ترجمہ مقتل ابی مخنف، ص 97

جناب زینبِ کبریٰ ؑ پاسبانِ شریعت و امامت

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

اسلام کا سرمایۂ تسکین ہے زینبؑ ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینبؑ
حیدرؑ کے خد و خال کی تزئین ہے زینبؑ شبیر ہے قرآن تو یاسین ہے زینبؑ
زینبؑ کی ذات پاک ہے اعجاز کی طرح
زینبؑ ملی ہے دین کو اعزاز کی طرح

حضرت زینب سلام اللہ علیہا سفیرۂ کربلا، فاتح کوفہ و شام، عقیلۂ بنی ہاشم، عالمہ غیر مُعَلَّمہ، شریکۃ الحسینؑ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا خاتم النبیین، حضرت سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی، اَمیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام و سیدۃ کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی صاحبزادی، حسنین کریمین علیہم السلام کی ہمشیرہ، حضرت عبد اللہ بن جعفرؑ کی شریک حیات اور جناب عون و محمدؑ کی مادر گرامی ہیں۔ آپؑ کی ولادت باسعادت 5 جمادی الاول 5 یا 6ھ کو مدینۂ منورہ میں ہوئی اور شہادت ۱۵ رجب المرجب ۶۲ یا ۶۳ ہجری قمری کو شام میں واقع ہوئی[1]۔

"زینب" لغت عرب میں نیک منظر اور خوشبودار درخت، یا پھر باپ کی زینت کے معنی میں آتا ہے۔ متعدد احادیث کے مطابق حضرت ثانی زہرا حضرت زینبؑ کا نام نازش انسانیت، نگہبان آدمیت، سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتخاب کیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ جبرئیل امینؑ نے خدا کی طرف سے یہ نام حضرت پیغمبر اکرمؐ تک پہنچایا تھا۔

جیسا کہ کتاب الخصائص الزینبیہ میں آیا ہے کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے حضرت زینب کبری علیہا السلام کو اپنی آغوش مبارک میں لیا اور پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا: میری امت کے حاضرین غایبین کو میری نواسی "زینب" کی کرامت سے آگاہ کرو کہ میری یہ نواسی اپنی نانی حضرت خدیجہؑ کی ہوبہو تصویر ہے[2]

حصارِ عصمت، سایۂ نبوت اور آغوشِ امامت و ولایت کی پروردہ ثانیٔ زہرا زینب بنت علیؑ سلام اللہ علیہا کی عظمت و رفعت اور ان کے مقام بلند مرتبہ کو سمجھنے کے لئے بس یہی ایک جملہ کافی ہے: " زینبؑ، زینبؑ ہے "

دستِ قدرت! ترے اِس حسنِ نگارش پہ نثار نام وہ لوح پر لکھا کہ قلم توڑ دیا

---

[1] کحالہ، أعلام النساء، ۲۰۰۸، ج ۲، ص ۹۱، ابوالحسن العلوی، اخبار الزینبیات، ۱۴۱۰ق، ص ۲۳

[2] جزائری، الخصائص الزینبیہ، ۱۴۲۵ق، ص ۴۴

تاریخ اسلام کو مرتب کرنے والے بے نظیر و بے بدیل صاحبانِ علم و معرفت نے جب آپؑ کی ذات مبارکہ اور حیات طیبہ پر کچھ لکھنے اور کہنے کی کوشش کی تو بس! یہی کہہ کر رہ گئے کہ جس کی ماں خاتون جنت اور نانا محسن انسانیت جس کا بھائی سردار جوانان جنت اور بابا علیؑ، جس کا پورا گھرانہ مقام عصمت پر فائز ہو، جو شجرۂ نبوت اور موضع رسالت ہو، جس کے گھر ملائکہ کی آمد و رفت ہو اس عظیم ہستی کے اخلاق اور اوصاف و کمالات کو کما حقہ بیان کرنا ہمارے بس کی بات نہیں!

بقول سعدی شیرازی:

ندانم کدامین سخن گویمت   کہ والاتری ز آنچہ من گویمت

"میں نہیں جانتا کہ آپؑ کی مدح و توصیف میں کونسی بات کہوں کہ میں جو کچھ بھی بیان کروں گا آپؑ کی ذاتِ والاصفات اس سے کہیں برتر و بالا ہے"

حق عطا قطرے کو کر سکتا ہے دریا ہونا   ورنہ آسان نہیں ثانی زہرا ہونا

یقیناً! اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جانہ ہوگا کہ جناب زینب کبری علیہا السلام کی ذات مبارکہ اخلاق حسنہ و سیرت طیبہ کے اعتبار سے وہ منور آفتاب ہے، جس کی ہر جھلک میں رسالت و نبوت اور امامت و ولایت کا حُسن نظر آتا ہے یہی وہ منفرد ذات والاصفات ہے کہ جسے خورشید نبوتؐ نے عکس خدیجۃ الکبریٰ، آسمانِ عصمت نے ثانی زہراؑ، آفتابِ امامت و ولایت نے عقیلۂ بنی ہاشم، عیر معلمہ، عابدۂ آل علیؑ، صدیقہ صغریٰ، ولیۃ اللہ العظمیٰ، ناموس کبریٰ اور شریکۃ الحسین جیسے معروف القابات سے یاد کیا ہے اور سارے علماء و افاضل کا بلا تفریق فیصلہ ہے کہ سیدۂ دوعالم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بعد اگر کوئی شخصیت پوری تاریخ اسلام میں "صدیقہ و طاہرہ" کہلائی ہے تو وہ جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا کی ذات والاصفات ہے۔ جو ہر لحاظ سے آئینۂ عصمت حضرتِ زہراؑ ہیں۔

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں   بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کا فسانے میں

سیدہ کونین حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بعد اس روئے زمین پر، آپؑ کی سیرتِ طیبہ پوری صنف نسواں کیلئے مکارم اخلاق کے عملی پیکر کی حیثیت سے تقلید کا اکمل نمونہ ہے۔ چاہے گھریلو زندگی ہو یا ازدواجی زندگی، شوہر کے ساتھ رفاقت کی نزاکت و اہمیت ہو یا بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہو، خدا، رسولؐ اور امام کی اطاعت ہو یا فردی اور اجتماعی زندگی میں آپؑ کا زہد و ورع، تقویٰ و پرہیز گاری، عفت و حیا، خُلق و صدق و سچائی، دیانت داری یا ایفائے عہد، شجاعت و بہادری یا عفو و درگزر یا پھر حلم و بردباری، حتیٰ کہ جتنے بھی ارفع اخلاق و اوصافِ حمیدہ ایک مثالی خاتون میں پائی جانی چاہیئے، آپؑ کی ذاتِ مبارکہ میں مجتمع فرمادیئے گئے تھے گویا عالمِ بشریت خاص کر صنفِ نسواں میں آپؑ کی ذاتِ ستودہ سیدہ دوعالمؑ کے بعد صفات جامعِ کمالات بن کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی اور آپ ہی کی ذات بعدِ کربلا وہ شاہکار قرار پائی جسے دیکھ کر دل و نگاہ پکار اُٹھتے ہیں:

تَمام هستی من، خَاکِ پَایِتَان بَانو   و جَانِ عَالَمِ هستی فِدَایِتَان بَانو

جنابؑ زینب کبری سلام اللہ علیہا کی شخصیت کربلا کے بعد آواز حق و باطل، سچ اور جھوٹ ایمان و کفر اور عدل و ظلم کے درمیان حد فاصل کے طور پر زیادہ جانی پہچانی جاتی ہے۔

آپؑ کی ذات قدسی صفات ہماری ناقص عقول سے بہت بالاتر ہے آپؑ نے کربلا میں نہ فقط امام کی نصرت ومدد کی ہے بلکہ منصب امامت و نبوت اور ولایت کی عظمت و وقار اور قدر و قیمت کا تحفظ بھی کیا ہے اور آپ اس کی امین و پاسدار بھی ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کے بقول:

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق   یکی حُسین رقم کرد و دیگرے زینبؑ

اگر حسینؑ بن علیؑ نے یزید اور یزیدیت کو میدان کارزار میں شکست فاش دی ہے تو اس شکست کے اعلان کی گونج آج جو پوری دنیا میں سنائی دے رہی ہے وہ جناب زینب کبریؑ کی زحمات کی رہین منت ہے اگر حسینؑ رجز و عزم، نشان راہ ہے، اگر حسینؑ زندہ ہے، اگر حسینؑ کی شہادت عظمیٰ باقی ہے اگر کربلا کی بہاریں اور اس کی رونقیں بدستور قائم ہیں، اگر دین حق زندہ ہے اور، اسلام و ایمان باقی ہے اگر اس دور میں چہار دانگ عالم میں اسلام کی حقانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو یہ سب کچھ جناب زینب کبریٰ ؑ کے ایثار و فداکاری، جانثاری و زحمات کا نتیجہ ہے۔۔۔

اسی پس منظر میں ڈاکٹر علی شریعتی نے نہایت مختصر الفاظ میں کربلا کی شیر دل خاتون جناب زینبؑ کی مدح و توصیف کا ایک طویل باب سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ: "اگر زینب سلام اللہ علیہا نہ ہوتیں تو کربلا، کربلا کے حدود سے تجاوز نہ کرتی"

خدا پر توکل و ایمان، اس کی اطاعت و بندگی، شریعت کی فرمانبرداری، امامت و ولایت کی پاسداری، صبر و استقامت اور عقل و فہم کا یہ عالم تھا کہ کربلا کے مصائب و آلام، درد و غم اور رنج و الم اور حالات کی سنگینی آپؑ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر بھی لغزش پیدا نہ کر سکی۔

سوزِ غم ختم کیا سازِ ستم توڑ دیا   آپ نے سلسلۂ رنج والم توڑ دیا

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ واقعہ عاشورا کے لازوال اور لافانی ہونے میں جناب زینب کبریؑ کا اہم اور ایک عظیم کردار ہے آپؑ نے شہادت حسینؑ کے بعد کربلا کی تحریک کو دوام بخشا اور اسے سیاسی و سماجی منظر نامے پر اجاگر کیا اور امام اور منصب امامت کے دفاع میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا اور یہ کام کربلا اور روز عاشورہ سے ہی مخصوص نہیں ہے کہ آپؑ کربلا کے میدان کارزار میں موجود تھیں تو یہ کام انجام دینا پڑا، نہیں! بلکہ آپؑ اس گھرانے کی فرد ہیں جو ہمیشہ سے نبوت و امامت کا مسکن اور دار ولایت رہا ہے، آپؑ اس گھرانے کی فرد ہیں جو آدمیت کی معراج اور وحی الٰہی کے نزول کا مرکز و محور رہا ہے آپؑ اس گھرانے کی فرد ہیں جہاں دین اسلام نے اپنا دور شیر خوار گی پورا کیا اور شریعت محمدؐ پروان چڑھی، اور بچپن ہی سے آپؑ نے آغوش نبوت اور درسگاہ امامت و ولایت میں یہ درس حاصل کی تھا کہ دین کے بنیادی اصولوں کی ایک اصل امامت ہے اور پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی میں اسلامی

معاشرے کی قیادت و رہبری کا ایک الٰی نظام ہے۔ امامت دین کی اساس میں ایک اہم بنیاد ہے یہ امام ہے جو لوگوں کو اطاعتِ خدا کے قریب کرتا ہے اور انہیں معصیت سے دور کرتا ہے بندگان خدا کیلئے امام، رہبر اور راہنما ہے۔ قیامت کے روز کوئی انہیں پہچانے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا، امامت و ولایت سے دفاع ہر ایک پر واجب ہے۔ امام ہی، زمام دین ہے اور اس کی اقتدا اور پیروی ہی میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں پوشیدہ ہیں! یہ وہ سارے آفاقی دروس تعلیمات تھیں جسے جناب زینب کبریٰؑ نے بچپن ہی سے سنی تھیں اور آپؑ کے نزدیک اور آپ کے فکر و عمل میں امامت و ولایت کا کیا مقام تھا تاریخی بڑی دیانت داری کے ساتھ کہتی ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنی زندگی میں بہت نشیب و فراز دیکھے۔

آپ کو سات معصوم اماموں کا زمانہ درک کرنے کا شرف حاصل رہا اور آپؑ نے کما حقہ ہر ایک معصوم سے کمال فیض حاصل کیا اور اسی فیض کا نتیجہ تھا کہ سید و سردار جوانان جنت حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

انك حقاً من شجرة النبوة و من معدن الرسالة۔ اے بہن زینبؑ! بے شک آپ شجرۂ نبوت اور موضع رسالت ہیں۔۔۔

یعنی آپؑ کے علم و ادب اخلاق و کردار کے اسلوب اور طور طریقے کا محور و مرکز آغوش نبوت اور امامت ہے نیز حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے اس علم و ادب، عقل و شعور کے فضل و کمال کے پیش نظر سید الساجدین، حضرت زین العابدین حضرت امام سجاد علیہ السلام جیسی معصوم ہستی نے فرمایا:

اَنْتِ بِحَمْدِ اللهِ عَالِمَةٌ غَيْرَ مُعَلَّمَةٍ وَ فَهِمَةٌ غَيْرَ مُفَهَّمَةٍ۔ اے پھوپھی اماں، آپ الحمد للہ ایسی خاتون ہیں کہ جسکو کسی نے پڑھایا نہیں ہے، اور آپ ایسی عاقل خاتون ہیں کہ کسی نے آپ کو عقل و شعور عطا نہیں کیا۔[1]

جناب زینب کبریٰ عادات و اطوار، اخلاق و کردار میں اپنی والدہ گرامی کی وارث اور ملکوتی صفات و اوصاف میں اپنے پدر بزرگوار کی جانشین ہیں، آپ کے اندر احکام خداوندی اور شریعت الٰہی کی پابندی اور راہ خدا اور تحفظِ امامت پر مر مٹنے کا جذبہ وراثت میں ملا ہے۔

آپؑ بچپن سے جوانی کی دہلیز تک حتی ازدواجی زندگی سے کربلا کے سفر اور تادم حیات نہ صرف ایک بہن اور بیٹی کے اعتبار سے اپنے ماں باپ، بھائی، بہن، گھر و خاندان اور عزیز و اقارب کی حمایت کی بلکہ کاشانۂ امامت میں رہ کر منصب امامت کے مقام و منزلت سے خوب واقف تھیں لہذا حسنین کریمینؑ کو صرف اپنا بھائی نہیں بلکہ اپنا امام جانتی تھیں اور ان کی نصرت و مدد اور ان کی

[1] الاحتجاج، ج2، ص27

اطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھا کرتی تھیں جس کا منہ بولتا ثبوت مقاتل کے صفحات پر نمایاں آپ کا جذبہ ایثار ہے جسے دل کی بینا آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔

یہ وہی زینبؑ ہے! جس نے باپ اور بھائیوں کو ہر حال میں نبی ﷺ کے حکم کا تابع پایا اور ہر حال میں انہیں اسلامی شریعت کے احکام و ضوابط کی تعمیل کرتے دیکھا اور لیلۃ المبیت جیسی خطرناک رات کے واقعہ اور اسلام کی خاطر امیر المومنین علیہ السلام کی جنگوں میں جانثاری و فداکاری کی داستانیں، ماں کو امام پر قربان ہوتے دیکھا، باپ کی دلسوز شہادت دیکھی، بھائی حسن مجتبیٰؑ کے طشت طلا میں جگر کے بہتر ٹکڑے دیکھے۔۔۔ یہ وہی زینبؑ ہے! جس نے اپنے بابا علی بھائی حسن و حسین علیہم السلام کو کوفے کی گلی کوچوں میں غریبوں اور مسکینوں کو اپنے ہاتھوں سے غذا فراہم کرتے دیکھا۔ یہ وہی زینبؑ ہے! جس نے بستر شہادت پر اپنے بابا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "کُونَا لِلظَّالِمِ خَصماً وَلِلمَظْلُومِ عَوناً۔" ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہو"۔[1]

یہ وہی زینبؑ ہے! جس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو ظالم کے ظلم کے خلاف میدان میں آتے اور مظلوم کی حمایت میں اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لاتے دیکھا۔۔۔

جی ہاں! وہ شہر کوفہ تھا اور سن چالیس ہجری کا منظر، اب وقت بدلا ہوا ہے یہ کربلا کا تپتا ہوا صحرا ہے اور بے یار و مددگار جناب زینب ہیں جو میدان کارزار میں اپنے بھائی کے شانہ بشانہ کھڑی ہیں اور آپ نے لمحہ بھر کیلئے بھی ایثار و فداکاری سے دریغ نہیں کیا۔ اور بھائی، بھتیجوں اور کلیجے کے ٹکروں کو راہ خدا اور امامت کے منصب و وقار کی بقا کے لئے راہ خدا میں مرنے کی اجازت دے دینا اور زخم و خون سے رنگین جنازوں پر سجدہ شکر ادا کرنا یہ زینب کبریٰؑ کا ہی کام ہے۔

سر جھکا کر تن کے چلنے کی طلبؑ زینب میں ہے	کیا وقار عظمت و نام و نسب زینبؑ میں ہے
جذبہ ایثار و قربانی عجب زینبؑ میں ہے	بیٹے بھائی اور بھتیجوں کو فدا کرنے کا دم

شیخ مفیدؒ کہتے ہیں کہ زینبؑ کے اندر امام کی نصرت و مدد اور راہ حق میں مر مٹنے کا ایک عجیب جذبہ ایثار و قربانی کا عنصر تھا وہ کربلا میں بھائیوں اور بھتیجوں کی نہیں بلکہ وہ اپنے وقت کے اماموں اور ناصران امام کی تیماردار تھیں اور انہیں امام کی نصرت و دفاع میں مارے جانے سے خوف نہ کھانے کی ترغیب و تشویق کیا کرتی تھیں، کربلا کے سفر میں عبد اللہ بن جعفر کی یادگار آپؑ کے دونوں فرزند عون بن عبد اللہ اور محمد بن عبد اللہ موجود تھے اور دونوں امام حسینؑ کے ہمرکاب شہادت پر فائز ہوئے![2]

عصر عاشور جب جناب زینبؑ نے دیکھا کہ امام حسینؑ خاک کربلا پر پڑے ہیں اور دشمنان دین آپؑ کے مجروح جسم کو اپنے گھیرے میں لے کر آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ خیمے سے باہر آئیں اور عمر ابن سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

---

[1] نہج البلاغہ، مکتوب ۴۷

[2] شیخ مفید، محمد بن محمد، الارشاد فی معرفہ حجج اللہ علی العباد، ج ۲، ص ۶۹۔

"یابن سَعد! أَيُقتَلُ أبُو عبدِ اللهِ وَأَنتَ تَنظُرُ إِلَيهِ؟". اے سعد کے بیٹے! ابو عبد اللہ (امام حسینؑ) کو قتل کیا جارہا ہے اور تو تماشا دیکھ رہا ہو؟![1] ابن سعد خاموش رہا۔

زینب کبریٰؑ نے بآواز بلند پکار کر کہا:

"وا اَخاهُ وا سَیِّداهُ وا اَهْلِ بَیْتاهُ، لَیتَ السّماءُ اِنْطَبَقَتْ عَلَى الْاَرضِ وَلَیتَ الْجِبالُ تَدَکْدَکَتْ عَلَى السَّهْلِ". آہ میرے بھائی! آہ میرے سید و سرور! آہ اے خاندان پیمبرؐ! کاش آسمان زمین پر گرتا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر صحراؤں پر بکھر جاتے[2]

حضرت زینبؑ نے یہ جملے ادا کر کے کربلا کی تحریک کے دوسرے مرحلے کا آغاز کیا۔ آپؑ اپنے بھائی کی بالین پر پہنچیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر بارگاہ خداوندی میں عرض گزار ہوئیں: "اے میرے اللہ! یہ قربانی ہم سے قبول فرما![3]

نیز شہادتِ امام حسینؑ کے بعد آپؑ کے ردعمل نے ہر صاحبِ دل کو رونے پر مجبور کر دیا ہے روایت کہتی ہے کہ جب امام حسینؑ کی شہادت واقع ہو گئی تو آپ مقتل میں تشریف لائیں بھائی کے بے جان جسم کے پاس کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف رخ کیا اور دل گداز انداز میں نوحہ گری کرتے ہوئے کہا:

"وا محمداه بناتك سبايا و ذريتك مقتلة تسفى عليهم ريح الصبا، و هذا الحسين محزوز الرأس من القفا مسلوب العمامة و الردا، بابی من اضحى عسكره في يوم الاثنين نهبا، بابی من فسطاطه مقطع العرى، بابی من لا غائب فير تجى و لا جريح فيداوى بابی من نفسي له الفدا، بابی المهموم حتى قضى، بابی العطشان حتى مضى، بابی من شيبته تقطر بالدماء، بابی من جده محمد المصطفى، بابی من جده رسول اله السماء، بابی من هو سبط نبی الهدى، بابی محمد المصطفى، بابی خديجة الكبرى بابی علی المرتضى، بابی فاطمة الزهراء سيدة النساء، بابی من ردت له الشمس حتى صلى".

اے رسول خداؐ! یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو اسیر ہو کر جا رہی ہیں۔ یہ آپؐ کے فرزند ہیں جو خون میں ڈوبے زمین پر گرے ہوئے ہیں، اور صبح کی ہوائیں ان کے جسموں پر خاک اڑا رہی ہیں! یہ حسین ہے جس کا سر پشت سے قلم کیا گیا اور ان کی دستار اور ردا کو لوٹ لیا گیا؛ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کی سپاہ کو سوموار کے دن غارت کی گئیں، میرا باپ فدا ہو اس پر جس کے خیموں کی رسیاں کاٹ دی گئیں! میرا باپ فدا ہو اس پر جو نہ سفر پر گیا ہے جہاں سے پلٹ کر آنے کی امید ہو اور نہ ہی زخمی ہے جس کا علاج کیا جا سکے! میرا باپ فدا ہو اس پر جس پر میری جان فدا ہے؛ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کو غم و اندوہ سے بھرے دل اور پیاس کی حالت میں قتل کیا گیا؛ میرا

---

[1] علی نظری منفرد، قصّہ کربلا، ص371

[2] سید بن طاووس، ص159 و161/سید عبد الرزاق موسوی، مقتل مقرم، ترجمہ عزیز الٰہی کرمانی، ص192

[3] علی نقی فیض الاسلام، ص185.

باپ فدا ہو اس پر جس کی داڑھی سے خون ٹپک رہا تھا! میرا باپ فدا ہو جس کا نانا رسول خداؐ ہے اور وہ پیامبر ہدایتؐ، اور خدیجۃ الکبریٰؑ اور علی مرتضیٰؑ، فاطمۃ الزہراؑ، سیدۃ نساء العالمین کا فرزند ہے، میرا باپ فدا ہو اس پر وہی جس کے لئے سورج لوٹ کے آیا حتی کہ اس نے نماز ادا کی... حضرت زینبؑ کے کلام اور آہ و فریاد نے دوست اور دشمن کو متاثر و مغموم کیا اور سب کو رلا دیا۔[1]

عاشورا کے بعد اہل بیت کے اسیروں کو بازار میں لایا گیا۔ کوفہ میں زینب بنت علی نے ایک اثر دار خطبہ دیا جس نے لوگوں پر بہت زیادہ اپنا اثر چھوڑا۔

بُشر بن خُزیم اسدی حضرت زینبؑ کے خطبے کے بارے میں کہتا ہے: اس دن میں زینب بنت علیؑ کو دیکھ رہا تھا؛ خدا کی قسم میں نے کسی کو خطابت میں ان کی طرح فصیح و بلیغ نہیں دیکھا؛ گویا امیر المؤمنین علی بن ابیطالبؑ کی زبان سے بول رہی تھیں۔

آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر ایک غصبناک لہجے میں فرمایا: "خاموش ہو جاؤ"! تو نہ صرف لوگوں کا وہ ہجوم خاموش ہوا بلکہ اونٹوں کی گردن میں باندھی گھنٹیوں کی آواز آنا بھی بند ہو گئی۔

حضرت زینب کا خطاب اختتام پذیر ہوا لیکن اس خطبے نے کوفہ میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی اور لوگوں کی نفسیاتی کیفیت بدل گئی تھی۔ راوی کہتا ہے: کہ علیؑ کی بیٹی کے خطبے نے کوفیوں کو حیرت زدہ کر دیا تھا اور لوگ حیرت سے انگشت بدندان تھے۔

خطبے کے بعد شہر میں [یزیدی] حکومت کے خلاف عوامی بغاوت کی علامات ظاہر ہونے لگیں چنانچہ اس حکومت کے خلاف احتمالی بغاوت کے سدباب کیلئے اسیروں کو حکومت کے مرکزی مقام دار الامارہ لے جانے کا حکم دیا گیا۔[2]

یقیناً! یہ جناب زینب کبریٰ ہی کا کمال ہے کہ انہوں نے کربلا اور بعد کربلا اپنے کلیدی کردار کو نہایت حکمت و بردباری کے ساتھ ادا کیا واقعہَ عاشور کے بعد آپؑ قیدی بنا کر کئی شہروں سے گزار کر دمشق لے جائی گئیں اور آپؑ کے اس سفر اسیری میں دیئے گئے خطبے نہ صرف صاحبانِ علم و معرفت کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں بلکہ ایوان ظلم کی بنیادیں ہلا دیتے اور افسردہ دلوں کو گرما دیتے ہیں۔۔۔

شاعر کے بقول:

زینبؑ کا معجزہ ہے کہ کرب و بلا کے بعد	تبدیل کر سکا نہ کوئی واقعات کو
ظالم کو منہ چھپانے کی مہلت نہ مل سکی	اس طرح سے پلٹ دیا کل حادثات کو

اگر جناب زینب کبریٰؑ نے کربلا کے مصائب و آلام، درد و غم، مشکلات و حادثات اور ابتلاو آزمائش کے جم غفیر میں صبر و تسلیم و رضا، جرات و بہادی اور عزم و استقلال کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا اور اپنی ہمت ہار جاتیں تو کربلا کے بیابان صحرا میں شجاعت و حریت کا کسی کو علم

[1] ابو مخنف، وقعۃ الطف، ص 259؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج 45، ص 59، ابو مخنف، وقعۃ الطف، ص 295/ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم و الملوک، قاہرہ، مطبعۃ الاستقامۃ، 1358، ج 5، ص 348-349؛ محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج 45، ص 59۔

[2] احمد صادقی اردستانی، ص 246۔

بھی نہ ہوتا۔ آپؑ نے کربلا تا کوفہ اور کوفہ تا شام نہ صرف یہ کہ معصوم بچوں اور غم سے نڈھال مخدرات عصمت و طہارت کی ہمت کو کمزور نہیں ہونے دیا بلکہ آپؑ نے اپنی ہر ذمہ داری بخوبی ادا کی جو آپؑ کے سپرد تھی، کربلا کے بعد آپؑ نے شہادت امام حسین علیہ السلام پر خون کے آنسو بہائے، عزیز و اقارب اور اصحاب و انصار کے فراق غم و الم پر گریہ و زاری کی، مصائب حسین علیہ السلام پر ماتم بھی کیا لیکن ایسے کٹھن حالات میں بھی دین داری کو نہیں چھوڑا اور چادر عصمت و طہارت میں رہ کر کوفہ و شام کی گلی کوچوں اور بازاروں میں اپنے خطبوں کے ذریعے یزید کے کفر و نفاق اور اس کے ظلم و بربریت کا پردہ چاک کیا اور باطل نظام کو سرنگوں کر کے تاقیامت عزادارن حسینؑ کو یہ پیغام دے دیا کہ اے عزادارو! کربلا کے مصائب و آلام پر آنسو بہانے کے ساتھ ساتھ کربلا کے پیغامات اور اس کے تقاضوں پر بھی نظر رکھو، ماتم و مجلس اور زیارات کربلا کے ساتھ ساتھ اپنے گھر و خاندان اور ملک و سماج میں اسلامی احکام و قوانین اور انسانی اقدار کو عملی طور پر نئی زندگی عطا کرو جس طرح کربلا والوں کی زندگی اور ان کے جملہ اعمال و کردار اسلامی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر تھے اسی طرح کربلا کی یاد منانے والوں کی بھی یہ کوشش ہونی چاہئے خاص کر موجودہ دور میں ہماری خواتین جو کنیزان زینبؑ و ام کلثومؑ ہونے کی دعویدار ہیں انہیں زینبی کردار ادا کرنے کی کوشش اور یاد حسینؑ مناتے وقت کربلا کے کرداروں کی طرح اسلامی طرزِ زندگی کا نمونہ پیش کریں کہ یہی محبت حسینؑ کا عملی تقاضا ہے۔۔۔

زینب کا آج مملکتِ غم پہ راج ہے　　　زینب حسینیوں کے لئے سر کا تاج ہے

زینب یزیدیت کے خلاف احتجاج ہے　　　زینب محمدؐ عربی کا مزاج ہے

زینب کلیم بھی ہے علی کا کلام بھی

زینب ہے عورتوں میں نبی بھی امام بھی

عصر حاضر میں تربیت اولاد

حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام کی نظر میں

فیاض باقر

انسانی معاشرے کو کمال کی طرف لے جانے اور انسانی زندگی کو حسین و جمیل بنانے کے لئے تربیت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی جوہر و صلاحیتیں کھل کر سامنے نہیں آتے ہیں۔

یہ تربیت ہی ہے کہ جو انسان کو انسانی اقدار کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔

اور اگر صحیح تربیت نہ ہو تو انسان کی شکل میں جو حیوان ہوتا ہے وہ حیوانات سے زیادہ انسان اور انسانیت کے لئے مضر اور خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسانوں کو جتنا نقصان انسانوں نے پہچایا اتنا کسی نے بھی نہیں پہچایا کیونکہ غلط تربیت کے نتیجہ میں ہی نمرود، شداد، فرعون یا استکباری و استعماری طاقتیں بنتی ہیں۔

لیکن جب تربیت اچھی ہو تو انبیاء اور آئمہ کے نقش قدم پر چل کر خمینیؒ و خامنہ ای و سیستانی و حسن نصر اللہ اور زکزکی مدظلم العالی جیسے گہر نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان کے اندر انسانی صلاحیتوں سے ماوراء کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنی انسانی صلاحیتوں کو نکھارا ہے

تربیت کا معنی و مفہوم

عموما یہ سمجھا جاتا ہے کہ تربیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر صلاحیتوں کو ڈال دیا جائے جبکہ تربیت کا مطلب انسان کی استعداد و صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اس کو کمال تک لے جانا ہے۔ تاکہ انسان کی انسانیت سامنے آسکے۔

تربیت پتھر کو ہیرا بنانے کا نام نہیں ہے بلکہ ہیرے پر جمی ہوئی پرتوں اور گندگی کو ہٹا کر اس کی حقیقت کو سامنے لانے کا نام ہے۔

تربیت کی ضرورت:

یقینا ہر انسان کے اندر صلاحیتیں ہیں کہ ان کو نکھارنے کی ضرورت ہے تاکہ اندر کا ہیرہ سامنے آجائے کہ جس کے لئے تعلیم و تربیت بنیادی چیز ہے کہ جو انسان کو دوسروں سے ایسے الگ کر دیتی ہے جیسے کنکریوں سے ہیرہ اور موتیوں کو جدا کر لیا جاتا ہے کہ جن میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت یہ سمجھاتی ہے تعلیم یافتہ غیر تعلیم یافتہ سے کہیں ممتاز اور بالاتر ہوتا ہے۔

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی ٱلَّذِینَ یَعۡلَمُونَ وَٱلَّذِینَ لَا یَعۡلَمُونَۗ إِنَّمَا یَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلۡأَلۡبَـٰبِ۔ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں۔[1]

اس بات سے صرف صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں اسی لئے تربیت کا تعلق صرف بچوں، نوجوانوں اور جوانوں سے نہیں ہے بلکہ تربیت ہر انسان کی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔

کیونکہ انسان سے ہر عمر اور ہر مرحلہ میں غلطی ہونے کے امکان ہیں، کبھی بھی اس کا نفس اس پر غالب آسکتا ہے، کبھی بھی شیطان اس کو بہکا سکتا ہے یا کبھی بھی ظاہری حالات اس کو بے راہ روی کی طرف لے جاسکتے ہیں اس لئے زندگی کے مرحلہ میں اور عمر کے ہر پڑاو میں تربیت کی ضرورت ہے اگرچہ بچپنے اور نوجوانی میں اس کی نسبتاً زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

مربی کون لوگ ہیں:

تربیت لوگوں کی صلاحیت کو ابھارنے کا نام ہے اس لئے تربیت کرنے والوں میں کم سے کم دو طرح کے صفات کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ انسانی خداداد صلاحتیوں کو پہچاننا۔

۲۔ اپنے شاگرد اور تربیت یافتہ میں دفاعی صلاحیتوں کا پیدا کرنے والا ہو۔

جس کے نتیجہ میں تربیت یافتہ انسانی اقدار اور کمال تک پہنچ جائے۔ یعنی انسان کامل بن جائے۔

اس لئے مربی وہی ہو سکتا ہے جو انسانی نقائص کو دور کر کے اس کو انسان کامل بنا دے۔ اور یہ کام انبیا اور آئمہ سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ اسی لئے ہم نے سوچا ہے سبط اکبر امام حسن علیہ السلام کی نگاہ سے تربیت اولاد کے سلسلہ میں کچھ عرض کریں۔

امام حسن علیہ السلام اور تربیت اولاد

ہماری گفتگو "امام حسن اور تربیت اولاد" سے متعلق ہے باقی معصومین کی طرح ان کی سیرت کا ہر لمحہ تربیت سے سرشار ہے۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اخلاق، سماجی (سوشل)، علمی، عملی، سیاسی، تبلیغی، دفاعی، چھپی ہوئی سازشوں سے مقابلہ،۔۔۔ وغیرہ جیسے ہر پہلو میں ہماری تربیت کی ہے تاکہ اگر اس انداز سے بچوں کی تربیت کی جائے تو وہ نوجوانی یا جوانی کے سن تک پہنچتے پہنچتے ایک بہترین اور مضبوط کردار کے مالک بن سکتے ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ زمانہ سے متاثر نہ ہوں بلکہ زمانہ پر تاثیر گزار ہوں۔

بچوں کی تربیت کے لئے امام حسن علیہ السلام کی سیرت سے ہم دو طرح سے استفادہ کر سکتے ہیں:

پہلا

یہ کہ ان پہلو میں تربیت جو کسی بھی بچہ کے لئے بنیادی ضرورت ہو جیسے: توحید، علم، عمل، اخلاق، فکر، اطاعت پروردگار۔۔۔ وغیرہ

---

[1] ۔ زمر،۹

دوسرا

یہ کہ دشمن ہماری ہویت، شخصیت، کردار، فکر، فرہنگ وغیرہ پر جس اعتبار سے حملہ ور ہو اس کے مقابلہ میں ہماری آمادگی اور ہمارا دفاعی انتظام کیا ہونا چاہئے۔

امام علیہ السلام کی زندگی میں دونوں اعتبار سے بے انتہا تربیتی پہلو پائے جاتے ہیں کہ جہاں ایک طرف آپ نے اپنی سیرت و گفتار میں بنیادی پہلو پیش کئے ہیں وہیں دوسری طرف زمانہ کے حالات سے بھرپور اور ڈٹ کے مقابلہ کیا ہے۔

آپؑ تعلیم و تعلم کے حوالے سے فرماتے ہیں:

عَلِّمِ النّاسَ وتَعَلَّم عِلمَ غَيرِكَ، فَتَكونَ قَد أتقَنتَ عِلمَكَ وعَلِمتَ ما لَم تَعلَم۔ لوگوں کو تعلیم دو اور دوسروں سے علم سیکھو اس طرح تم اپنے علم کو مستحکم کرنے والے ہوگے اور تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا نہیں جانتے ہو [1]

اور اگر کسی کے پاس علم حاصل نہ کرنے کے لئے کوئی عذر بھی ہو تو امام فرماتے ہیں کہ:

قَطعَ العِلمُ عُذرَ المُتَعَلِّمينَ علم کے حصول نے علم حاصل کرنے والوں کے عذر کو توڑ دیا ہے۔ [2]

یعنی اگر تمہارا عذر صحیح ہوتا تو باقی دوسروں کے لئے بھی مشکل ہوتی لیکن علم حاصل کرنے والوں نے عذر کو ختم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ علم کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

فکری تربیت:

علم کے فوراً بعد جس کی سب سے سخت ضرورت ہوتی ہے وہ سالم فکر ہے کیونکہ کج فکری اور غلط فکر انسان کو برباد بھی کرتی ہے اور گمراہی کی طرف بھی لے جاتی ہے جہاں انسان حقیقتوں کو نہیں دیکھ پاتا ہے اور اپنی تعلیم و صلاحیتوں کو باطل کے مفاد میں استعمال کر لیتا ہے اور اسی کو دینداری و خدمت خلق سمجھ کر افتخار بھی کرتا ہے۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں: التفكُّرُ حياةُ قَلبِ البَصيرِ. غور و فکر کرنا صاحب بصیرت کے قلب کی زندگی ہے۔ [3]

تاکہ انسان باطل کی سازشوں کے ساتھ ساتھ حق کی حکمتوں کو بھی محسوس کر لے کیونکہ اسلام میں بلکہ انسانی نظام میں بغیر صحیح فکر کے نیکی اور خیر کو انجام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے امام حسن علیہ السلام نے فکر کے لئے خاص کر کے تاکید کی ہے

---

1 کشف الغمۃ: ۲/ ۱۹۷

2 تحف العقول: ۲۳۶.

3 بحارالانوار: ۷۸/ ۱۱۵/ ۱۱

أُوصيكُم بتَقوَى اللهِ وإدامَةِ التَّفكُّرِ ، فإنَّ التَّفَكُّرَ أبو كُلِّ خَيرٍ واُمُّهُ. میں تمھیں تقویٰ الٰہی اور غور وفکر جاری رکھنے کی وصیت کرتا ہوں اس لئے کہ غور وفکر ہر خیر و نیکی کا باپ اور اس کی ماں ہے۔ [1]

یعنی جس طرح سے بغیر ماں۔باپ کے اولاد ممکن نہیں ہے اسی طرح سے بغیر صحیح فکر کے انسان کی زندگی میں خیر اور نیکی بھی ممکن نہیں ہے۔

ان جیسے بہت سارے صفات ہیں کہ جن کی بنیادی طور پر انسان کو ضرورت ہے اور امام علیہ السلام کی سیرت و گفتار میں ان کی تاکید کی گئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں سارے صفات کا ذکر ممکن نہیں ہے

اب ہم اس دوسرے حصہ پر بات کرتے ہیں کہ جس میں حالات کے اعتبار سے پیش آنے والے مسائل کا دفاع کیسے ہو یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ بچوں کی تربیت میں دفاعی نظام۔

اس زمانہ میں تربیت کو کیا نقصان پہچایا گیا ہے

یقینا تربیت کسی بچہ اور انسان کے لئے بنیادی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر انسان کسی وحشی حیوان کی مانند بھی ہو سکتا ہے۔

اس زمانہ میں دنیا کی استکباری اور استعماری طاقتوں نے انسانیت کے استحصال کے لئے اس زمانہ میں تربیت ختم کر دی گئی تعلیم و تربیت کو جدا کر دیا گیا یہاں تک کہ غلط تربیت ہو رہی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اسکولوں میں ناچ گانا جیسی بے حیائی نصاب میں آگئی اور بوائے فرنڈ گرل فرنڈ جیسی بے غیرتی عام ہو گئی و۔۔۔

جس کے نتیجہ میں لوگوں کو دنیا پرست بنا دیا گیا اور حالات یہاں تک پہچ گئے کہ انسانوں کو جتنا نقصان خود انسانوں سے پہچا ہے اتنا سارے حیوان بھی مل کر نہیں پہنچا پائے۔

یعنی اگر تربیت صحیح نہ ہو تو سب سے زیادہ حیوانیت خود انسان میں پائی جاتی ہے۔

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں:

يا بنَ آدمَ ، إنّكَ لم تَزَلْ في هَدمِ عُمرِكَ مُنذُ سَقَطتَ مِن بَطنِ اُمِّكَ ، فَخُذْ مِمّا في يَدَيكَ لِما بَينَ يَدَيكَ ؛ فإنّ المؤمنَ يَتزَوَّدُ ، والكافِرَ يَتمتَّعُ .

اے آدم کے بیٹے ! تو جب سے اپنی ماں کے شکم سے باہر آیا ہے اپنی عمر کی بربادی میں لگا ہے لہذا جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اس سے اس چیز کے لئے فائدہ اٹھا جو تیرے سامنے ہے مومن اپنے زاد سفر میں اضافہ کرتا ہے اور کافر صرف لذتوں کے حصول میں لگا رہتا ہے۔ [2]

---

[1] تنبیہ الخواطر:۱/ ۵۲

[2] بحار الأنوار:۷۸/ ۶/۱۱۲.

اور جب انسان دنیا کی لذتوں کے چکر میں پڑتا ہے تو یہ ایک ایسا دلدل ہے کہ جس میں انسان جتنا آگے بڑھتا ہے اتنا اس کا نکلنا مشکل ہوتا جاتا ہے

امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں: الرّاغِبُ فیها عَبدٌ لِمَن یَملِکُها ۔ دنیا کی خواہش رکھنے والا دنیا کا غلام ہو جاتا ہے۔ [1]

یہاں تک کہ وہ دنیا کا محض غلام ہو کر رہ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا۔۔۔ سارا کام صرف اور صرف دنیا کے حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دین کو بھی دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتا ہے جس کی پہچان یہ ہے کہ انسان وہ نمازیں اور دعائیں زیادہ پڑھتا ہے کہ جس سے انسان کو رزق یا دنیاوی چیزیں زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔

امام کی سیرت میں صرف دنیا کا استعمال ضرورت کی حد تک ہے باقی کو اللہ کی راہ میں ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے اور یہ انسان کا کمال ہے نہ کہ مال کا جمع کرنا۔

اس طرح کی مذہبی مشکلات کا کام سب سے زیادہ مستشرقین کی طرف سے انجام پایا ہے کہ جنہوں نے آیات و روایات کے غلط استعمال سے یا سیرت کو توڑ مروڑ کے ایسے پیش کیا کہ پورے مذہبی ماحول کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ایسے میں جو بھی بچہ ہوش سنبھالے گا وہ اسی ماحول کے اعتبار سے تربیت پائے گا اور اسی کو واقعی دین سمجھے گا۔

یہ ساری حالت خود ایک سوفٹ وار (نرم جنگ) کی کیفیت پیدا کرتی ہے اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کی تربیت جہاں ایک تعمیری کام ہے وہیں ایک طرح کا میدان جنگ بھی کہ جہاں ہر روز آپ کو ایک نئے دشمن سے لڑنا ہے جو غیر مرئی بھی ہے۔

سیاسی تربیت:

امام حسن علیہ السلام کی صلح جہاں آپ کی سیاسی سیرت ہے وہیں تربیتی سیرت بھی ہے آپ نے صلح کر کے دین اسلام کو بہت سارے داخلی اور خارجی خطرات سے بچا لیا۔

ان کے علاوہ بھی امام علیہ السلام کی سیرت کے بے انتہا پہلو ہیں کہ جن پر گفتگو ہو سکتی ہے اور نہیں ہو پائی ہے لیکن یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لئے وہ راستے کھول دے کہ ہم ائمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت طیبہ کو سمجھ کر اس پر عمل کر سکیں۔ آمین

[1] ۔ کنز العمال: ج ۱۶ ص ۲۱۴ ح ۴۴۲۳۶

کربلا حریت کی قافلہ سالار

نتیجہ فکر صابر علی عمرانی

ہے حریت کی قافلہ سالار کربلا — انسان کا بناتی ہے کردار کربلا

یہ اعتراف کرتے ہوئے آئے سب نظر — ممکن نہیں مٹیں تیرے آثار کربلا

اس نے جہاں کو دعوت فکر و عمل بھی دی — گویا کہ یوں ہے مطلع انوار کربلا

حریوں سپاہ شام سے کہہ کر نکل پڑا — اب خیر و شر کا بن گئی معیار کربلا

مستضعفین عالم دوراں کے واسطے — کرتی ہے حق کی راہ کو ہموار کربلا

ھل من کی آرہی ابھی بھی صدا سنو — افسوس اب بھی ہے جگر افگار کربلا

ہر دور کے یزید و بن زید سے رہی — بے خوف ہو کے برسرپیکار کربلا

اک بار کوئی حسن عمل کی طرف بڑھے — کر دیتی ہے ضمیر کو بیدار کربلا

جس جس کی بھی نگاہ میں ہے حر کی زندگی — ہر ایسے شخص کی ہے خریدار کربلا

اے ماتمیوں تم پہ بھی ہو غم کا وہ اثر — جس طرح سے ہے شہ کی عزادار کربلا

اب بھی سماج میں ہے بہت فتنہ و فساد — قربانی کی ہے اب بھی طلبگار کربلا

صابر رہے گی تابہ قیامت بہ فضل رب

ایوان حق کے واسطے معمار کربلا

حضرت امام کاظم علیہ السلام کا سیاسی کردار

علی عباس حمیدی

حضرت امام کاظم علیہ السلام نے ایک کامل انسان ہونے کے ناطے جہاں اخلاقی تعلیمات اور علوم کی نشر و اشاعت، تعلیم و تدریس، مناظرے، تالیف و کتابت کے اپنے خدمات، عالم بشریت کے لئے پیش کئے وہیں عدل و حق پر مبنی مثبت سیاست کے تحت حکومت کی تاسیس اور تشکیل کے لئے بھی نہایت اہم کارنامے انجام دینے کی کوشش کی جنہیں تاریخ کے ماتھے کا جھومر سمجھا جاسکتا ہے۔

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا دور سیاسی تحریکوں کے عروج کا دور تھا آپ کی امامت کا آغاز ہی بہت خطرناک ماحول میں ہوا 148ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت ہوئی، اس وقت سلطنت عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی تکیہ نشین تھا یہ وہی ظالم تھا جس کے ہاتھوں بے شمار سادات تلوار کے گھاٹ اتارے گئے دیواروں میں چنوائے گئے یا قید رکھے گئے، خود امام جعفر صادق علیہ السلام تک منصور ہی کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومت وقت اسے زندہ نہ رہنے دے گی اس لئے آپ نے آخری وقت سیاست کا سر چکرا دینے والی حکمت علی اختیار فرمائی، وہ یہ کہ اپنی جائیداد اور گھربار کے انتظامات کے لئے پانچ افراد کی ایک جماعت مقرر فرمائی جس میں پہلا شخص خود خلیفہ وقت منصور عباسی تھا، اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ، اور عبد اللہ افطح جو امام موسی کاظم کے سن میں بڑے بھائی تھے، اور حضرت امام موسی کاظم اوران کی والدہ معظمہ حمیدہ خاتون تھیں۔ امام صادق کا تحفظ کامیاب ثابت ہوا، چنانچہ جب حضرت کی شہادت کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت سے اظہار رنج کیا، تین مرتبہ کلمہ استرجاع پڑھا اور کہا کہ اب بھلا جعفر کا مثل کون ہے؟

اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق علیہ السلام نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراقلم کردو، حاکم مدینہ نے جواب میں لکھا کہ انہوں نے تو پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں، یہ جواب سن کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کئے جاسکتے علامہ طبری تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام موسی کاظم درجہ امامت پر فائز ہوئے اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ امام موسی کاظم کے دور امامت میں منصور دس برس زندہ رہا، لیکن امام موسی کاظم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا، اور آپ مذہبی فرائض کی انجام دہی میں امن و سکون کے ساتھ مصروف رہے اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا جس سے 157ھ یعنی اپنی موت سے صرف

ایک سال پہلے اسے فراغت ہوئی، اس لئے وہ امام موسی کاظم علیہ السلام کے متعلق کسی ایذا رسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا لیکن اس عہد سے قبل وہ سادات کشی میں کمال دکھا چکا تھا۔

منصور کے دور میں آپ کی سیاسی کارکردگی یہی تھی کہ آپ کسی بھی طرح اس کی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے جس سے وہ اپنی حکومت کی مشروعیت کا اثبات کر سکے "ابن شہر آشوب" نے امام کاظم علیہ السلام کے ساتھ منصور کے معاملات میں لکھا ہے: منصور نے امام علیہ السلام سے کہا کہ وہ عید نوروز کے موقع پر مجلس میں اپنی جگہ پر بیٹھیں اور ان کی پاس جو تحائف لائے جائیں انہیں قبول کریں۔ اس کے جواب میں امام نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سنی ہیں ان میں مجھے عید کی خبر نہیں ملی۔ یہ عید ایرانیوں کی روایات میں سے ہے جسے اسلام نے منسوخ کر دیا ہے۔ میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ اسلام نے جس چیز کو ختم کر دیا اسے دوبارہ زندہ کیا جائے۔ اس کے جواب میں منصور نے کہا: "پالیسی" ایسا تقاضہ کرتی ہے، کیونکہ منصور کے بہت سے سپاہی اور یہاں تک کہ ان علاقوں کے مشہور کسان بھی ایرانی تھے، اور یہ فطری تھا کہ وہ اس عید کے موقع پر منصور کو بہت سے تحائف دیں۔ اس طرح اس کے خزانے میں بہت مال شامل ہو اس نے امام کو مجبور کیا کہ وہ "منصور" کی طرف سے اس مجلس میں بیٹھیں اور فوج کے تحائف وصول کریں۔ تاہم "منصور" کی اس تحریک کے بارے میں امام علیہ السلام کا رویہ یہی رہا۔

حضرت امام کاظم علیہ السلام نے ایک طرف حکومت کو اپنا سہارا نہیں دیا دوسری طرف، علی ابن یقطین، ہشام بن حکم، عبد اللہ بن یحیی کاہلی، حماد بن عیسی جہمی، صفوان بن یحیی، علی بن حسن، عبد اللہ بن جبلہ اور حسین ابن محبوب جسے نامور اور مشہور شاگردوں کی تربیت کی کہ جنہوں نے مذہب اہل بیت علیہم السلام کے علوم اور مبانی کی نشر و اشاعت اور علویوں اور شیعوں کی حمایت اور حفاظت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

منصور عباسی مکہ میں 158ھ کے آخر میں دینا سے گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت سلطنت پر بیٹھا، مہدی عباسی نے اپنے آباء واجداد کے گناہ پر پردہ ڈالنے کیلئے اور آزادی کی تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے تخت پر بیٹھنے کے بعد عام اعلان کیا کہ اگر کسی کا حق میری گردن پر ہے وہ آکر اسکا مطالبہ کرے تو اسکا حق اس کو واپس لوٹا دیا جائیگا۔ امام موسی کاظم نے جب یہ اعلان سنا تو مہدی عباسی کے پاس گئے اس وقت مہدی عباسی لوگوں کے حقوق ان کو واپس کرنے میں مشغول تھا۔ امام علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: "کیا ہمارے چھنے ہوئے حقوق ہم کو واپس نہیں دیئے جائیں گے؟

مہدی عباسی نے کہا: آپ کے حقوق کون سے ہیں؟ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ "فدک"۔ مہدی نے کہا کہ فدک کی حدود معین کر دیں تو میں فدک آپ کو واپس پلٹا دوں گا۔ امام موسی کاظم علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: "فدک کی پہلی حدا حد کا پہاڑ ہے اس کی دوسری حد عریش مصر ہے اس کی تیسری حد خزر کے ساحل تک ہے اور اس کی چوتھی حد عراق اور شام

ہے۔ (یعنی تمام حکومت اسلامی)"۔ مہدی عباسی نے تعجب سے پوچھا کہ یہ فدک کی حدود ہیں! امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں یہ سن کر مہدی عباسی اس قدر غصہ میں آیا کہ غصہ کے آثار اس کے چہرے سے عیاں تھے کیونکہ امام موسیٰ کاظمؑ اس جواب کے ذریعے سے اس کو سمجھانا چاہتے تھے کہ حکومت اسلامی کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہونی چاہیے مہدی عباسی وہاں سے اٹھ کر جانے لگا اور زیر لب کہہ رہا تھا کہ یہ حدیں بہت زیادہ ہیں اس کے بارے میں کچھ سوچنا پڑے گا[1]۔

شروع میں تو اس نے بھی امام موسی کاظم علیہ السلام کی عزت و احترام کے خلاف کوئی تعرض نہیں کیا مگر چند سال بعد پھر وہی بنی فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مخالفت کا جذبہ ابھرا اور 164ھ میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف گیا تو امام موسی کاظم علیہ السلام کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا ایک سال تک حضرت اس کی قید میں رہے پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حضرت کو مدینہ واپس بھجوادیا۔

مہدی کے بعد اس کا بھائی ہادی 169ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک ماہ تک اس نے سلطنت کی ،اس دور میں عباسی خلفاء کے خلاف شیعوں اور علویوں کی طرف سے بہت سے قیام ہوئے جن میں سب سے اہم حسین بن علی، "شہید فخ" کا قیام تھا در حقیقت عباسیوں کے سب سے اہم حریف علوی تھے اور حکومت کا انہیں سختی سے اپنی نگرانی میں رکھنا فطری تھا۔ اسی سبب حکومت ہر ممکن کوشش میں تھی کہ امام کاظم علیہ السلام پر کسی بغاوت میں شریک ہونے کا الزام لگا کر انہیں قتل کر دے اسی سبب وہ اپنے جاسوسوں کو آپؑ کے خلاف لگائے ہوئے تھی مگر آپ باوجود اس کے کہ ساری سیاسی کارکردگیاں انجام دے رہے تھے مگر کسی طرح کا راز فاش نہ ہونے دیتے تھے اور اپنا وظیفہ انجام دیتے رہتے تھے۔

ہادی کے بعد ہارون خلافت پر آیا۔ اسکے دور میں عبد اللہ کے بیٹوں یحییٰ اور ادریس کی تحریک اٹھی۔ تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں عباسی خلفاء اور موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے درمیان متعدد جھڑپوں اور مناظروں کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ تمام شیعہ آئمہ تقیہ کی ضرورت پر تاکید کرتے تھے اور شیعوں کی تحریکوں اور ان کی قیادت کو خفیہ طریقے سے سنبھالنے کی کوشش ہوتی رہی تھی۔ فطری طور پر اس صورتحال کی وجہ سے تاریخ ان کی سیاسی حرکات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکی۔ تاہم ان بے شمار کوششوں کا گواہ شیعوں کی استقامت ہے جو اس طرح کی کوششوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس تحریک کی قیادت اور اس کی رہنمائی میں جس باریک بینی سے کام لیا گیا وہ تاریخ میں شیعوں کے استحکام کا ایک اہم عنصر ہے۔ ان سب کے باوجود ہارون الرشید کے زمانہ میں امام موسی کاظم علیہ السلام کو آزادی کی سانس لینا نصیب نہیں ہوئی [2]۔

---

[1] بحار الانوار جلد ۴۸ صفحہ ۱۵۶

[2] سوانح امام موسی کاظم ص 5

حضرت امام موسیٰ کاظم کے پینتیس (۳۵) سالہ دورِ امامت میں ہارون رشید تقریباً بارہ سال تک برسراقتدار رہا۔ ہارون رشید سمیت گزشتہ تمام خلفاء کے دورِ حکومت میں امام موسیٰ کاظم لوگوں کو امامت کی طرف دعوت دیتے رہے اور اِن چاروں خلفا میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طریقے سے امام موسیٰ کاظم کو کوئی نہ کوئی تکلیف پہنچانے کی کوششیں کرتا رہا۔ امام کاظم علیہ السلام پر ایسا بھی وقت آیا کہ اپ کو روپوش ہونا پڑا اور آپ نے چھپ کر اپنی سیاسی فعالیت انجام دی، جاسوسوں کا عالم یہ تھا کہ حکومت گھر سے نزدیک رہنے والوں کو اپنے چنگل میں لے کر جاسوسی کرا رہی تھی اسی وجہ سے آپ کا وہ نافرمان بھتیجا جو دربارِ خلافت سے وابستہ تھا، ہارون رشید کے ساتھ حضرت امام موسیٰ کاظم کے بارے میں بات کرتے ہوئے یوں اظہار کرتا ہے: "خَلِيفَتَانِ يُجْبى إِلَيْهِمَا الخَرَاج"، وہ کہتا ہے کہ اے ہارون! تم یہ خیال نہ کرنا کہ اسلامی سلطنت پر صرف تم ہی خلیفہ ہو اور لوگ صرف تمھیں خراج دیتے ہیں ، بلکہ اِس وقت عالم اسلام میں دو خلیفہ ہیں؛ ایک تم ہو اور دوسرے موسیٰ کاظم ہیں۔ جس طرح لوگ تمھیں خراج دیتے ہیں، ایسے ہی موسیٰ کاظم کو بھی دیتے ہیں اور یہ ایک حقیقت بھی تھی۔ اسی لئے ہارون خود حالات کا جائزہ لینے حج کے بہانے امامؑ کے پاس آتا ہے۔

مورخ طبری کا خیال ہے کہ بظاہر تو ہارون رشید حج کے لیے مکہ گیا تھا لیکن اُس کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ خود مخفی طور پر مدینہ جاکر حضرت امام موسیٰ کاظم کو قریب سے دیکھے کہ آپؑ ہیں کیا؟ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ عظیم شخصیت جس کے بارے میں اتنی ساری باتیں کی جارہی ہیں، جس کے اتنے سارے چاہنے والے موجود ہیں، یہاں تک کہ بغداد میں بھی ان سے محبت کرنے والے بہت سارے لوگ موجود ہیں، یہ کس قسم کی شخصیت کے مالک ہیں؟ کیا واقعاً ان سے ڈرنا چاہیے یا نہیں؟ لہٰذا وہ مدینہ آتا ہے اور امام موسیٰ کاظم سے کئی ملاقاتیں کرتا ہے۔ یہ ملاقاتیں ناقابل تصور حد تک اہم اور حساس ہیں۔ ان میں سے ایک ملاقات مسجد الحرام میں ہوئی جس میں بظاہر امام موسیٰ کاظمؑ ہارون کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور دونوں کے درمیان سخت باتوں کی تکرار ہوتی ہے جس میں امام موسیٰ کاظمؑ لوگوں کی موجودگی میں ہارون کی شان و شوکت خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اُس وقت ہارون امام موسیٰ کاظمؑ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اِس کے بعد ہارون مدینہ آتا ہے اور وہاں بھی امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ کئی ملاقاتیں کرتا ہے یہ ملاقاتیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں منجملہ یہ کہ ہارون رشید اِن ملاقاتوں میں وہ سارے کام کرتا ہے، جو اپنے کسی مخالف شخص کو رام کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یعنی دھمکی، لالچ، دھوکہ دہی وغیرہ۔

جس سال ہارون الرشید نے حج کیا اور مدینہ کے قریب پہنچا تو شہر کے بڑے لوگ اس کے استقبال کے لئے باہر آئے اور ان سے آگے امام کاظم علیہ السلام ایک خچر پر سوار تھے [1]۔ ربیع جو کہ ہارون کا خاص خادم تھا اس نے آنحضرتؑ کی جانب دیکھا اور کہا: یہ کیسی

---

1 - الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد , جلد 2 , صفحہ 234

سواری ہے جس پر آپ امیر المومنین کی ملاقات کے لیے آئے ہیں؟! اگر اس پر سوار ہو کر دشمن کا تعاقب بھی کریں گے تو اس تک نہیں پہنچ پائیں گے اور اگر دشمن نے آپ کا تعاقب کیا تو اس کے ہاتھوں آپ بچ نہیں پائیں گے! آپؑ نے فرمایا: یہ سواری گھوڑے کے تکبر سے کم تر اور گدھے کی ذلت سے بہتر ہے اور ہر چیز میں بہترین چیز میانہ روی اور اعتدال ہے۔۔ مامون کی زبانی بھی اس جیسا واقعہ ملتا ہے۔ وہ کہتا ہے جب ہم مدینہ گئے تو ایک دفعہ امام موسیٰ کاظم ایک گدھے پر سوار ہو کر اس محل میں پہنچے جہاں میرے والد ہارون نے قیام کر رکھا تھا اور جب امام موسیٰ کاظم سواری سے اُترنے لگے تو ہارون نے قسم دے کر کہا: نہیں! آپؑ میری مسند تک اپنی سواری پر ہی تشریف لائیں۔ چنانچہ آپؑ اپنی سواری پر ہی ہارون کی مسند تک چلے آئے۔ اِس کے بعد ہارون انتہائی عزت و احترام کے ساتھ آپؑ کے ساتھ پیش آیا اور اس کے بعد جب آپؑ جانے لگے تو ہم سے کہا کہ تم سب امام موسیٰ کاظم کی سواری کی رکاب تھامے رکھو۔ البتہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مامون اپنی اسی روایت میں کہتا ہے کہ میرا باپ ہارون سب کو پانچ ہزار اور دس ہزار دینار دیتا تھا اس نے امام موسیٰ کاظم کو صرف دو سو دینار دیئے، جبکہ اس سے پہلے ہارون نے امامؑ سے احوال پرسی کی تھی تو آپؑ نے فرمایا تھا کہ چونکہ میری اولاد زیادہ ہے جس کی وجہ سے بے شمار مسائل ہیں اور میری مالی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ مامون کہتا ہے کہ بعد میں، میں نے اپنے باپ ہارون سے پوچھا کہ آپ نے کیوں ایسا کیا؟ تو ہارون نے کہا: اگر میں انہیں اس سے زیادہ دینار دے دیتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ (ان پیسوں سے) ہاتھوں میں تلواریں لیے بیٹھے خراسانیوں کو میرے خلاف منظم کریں اور دو لاکھ لوگوں کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہو جائیں[1]۔

مدینہ میں پیغمبر اکرمؐ کی قبر مطہر کی زیارت کے وقت ہارون سب سے آگے قبر مطہر کے پاس کھڑا ہوا اور کہا: اے ہمارے چچا اور اللہ کے رسول آپ پر درود و سلام ہو اس سے اسکا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو سمجھائے کہ میرا رتبہ و مقام سب سے بڑا ہے کیونکہ میں رسول خداؐ کا چچازاد ہوں۔ اسکے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام زیارت قبر منور کے لیے تشریف لائے تو فرمایا: اے رسول خداؐ! آپ پر سلام ہو اے باباجان! امامؑ کا قصد یہ تھا کہ ہارون کی عوام فریبی کو دوسرے سمجھیں اور اپنے مقام و رتبے کی ہارون پر برتری ثابت کریں۔ اس سے ہارون کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور غصے کے آثار واضح دکھائی دینے لگے۔ ہارون کے جاسوسوں نے پہلے سے اسے آگاہ کر رکھا تھا اور امام بھی اپنے طور پر پوری تیاری میں تھے اور صلاحیتوں کے مطابق افراد سے کام بھی لے رہے تھے۔

عباسی حکمرانوں نے حکومت کو موروثی اور آمرانہ نظام میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان کے محل بھی حکمرانوں کے لہو و لعب اور عیش و نوش و شراب و کباب کا مرکز تھے اور ان بے پناہ دولت و ثروت کا خزانہ تھے جو انہوں نے لوٹ رکھے تھے۔ جبکہ مفلس و نادار طبقہ غربت، فاقہ کشی اور امتیازی سلوک کی سختیاں جھیل رہا تھا۔ اس صورتحال میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام لوگوں کی سیاسی اور سماجی آگہی و بصیرت میں اضافہ فرماتے اور بنی عباس کے حکمرانوں کی روش کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیتے دوسری طرف ہارون

1 - امام خامنہ ای، ہمارے آئمہ اور سیاسی جد و جہد ص53

الرشید اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگ امام کے علم و فضل کے بحر بیکران سے فیضیاب ہوں اور وہ اس سلسلے میں لوگوں پر سختیاں کرتا۔ لیکن ہارون الرشید کی ان سختیوں کے جواب میں امام کا ردعمل قابل غور تھا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہر مناسب وقت سے فائدہ اٹھاکر خداوند عالم کے حضور نماز و نیایش اور تقرب الٰہی میں مصروف ہوجاتے آپ پر جتنا بھی ظلم و ستم ہوتا وہ صبر اور نماز سے سہارا لیتے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہر حال میں صبر و شکر ادا کرتے بصرہ کا زندانباں عیسیٰ بن جعفر کہتا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ امامؑ پر ہر لحاظ سے نظر رکھوں یہاں تک کہ چھپ چھپ کر ان کی دعاؤں اور نیایش کو سنتا تھا مگر وہ فقط درگاہ خداوند سے طلب رحمت و مغفرت کرتے اور وہ اس دعا کی بہت زیادہ تکرار فرماتے، خدایا تو جانتا ہے کہ میں تیری عبادت کے لئے ایک تنہائی کی جگہ چاہتا تھا اور اب جبکہ تو نے ایک ایسی جگہ میرے لئے مہیا کردی ہے میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک مقام پر فرماتے ہیں، عرش الٰہی پر ایک سایہ ہے جہاں ایسے لوگوں کو جگہ ملے گی جنہوں نے اپنے بھائیوں کے حق میں نیکی اور بھلائی کی ہوگی، یا مشکلات میں ان کی مدد کی ہوگی۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا روزمرہ کا ایک معمول محتاجوں اور ناداروں کی خبرگیری کرنا تھا۔

اہل بیت علیہم السلام کی نگاہ میں مال و دولت اور مادی وسائل ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے رضائے پروردگار حاصل کی جا سکتی ہے۔ علاّمہ شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام رات کی تاریکیوں میں نکل کر شہر مدینہ کے غریبوں، محتاجوں اور ناداروں کی دلجوئی فرماتے اور ان کے گھروں کو جاکر انہیں اشیاء، خوراک اور نقد رقومات فراہم کرتے[1]۔

ان سب کے باوجود امام اپنی 55 سالہ عمر کا ایک بڑا حصہ زندان میں بسر کرتے ہیں ایک بار آپ نے زندان سے ہارون کے نام ایک خط لکھا جس میں آپ نے ہارون پر اپنے شدید غصے کا اظہار فرمایا: "بتحقیق جتنے میرے مشقت و آلام کے دن گزریں گے اتنے ہی دن تیرے راحت و آرام کے بھی گزر جائیں گے، پھر ایک دن ایسا آئے گا جب ہم سب کا خاتمہ ہوگا، اور کبھی ختم نہ ہونے والا دن آ پہنچے گا، اس دن بدکار لوگ خسارے میں ہوں گے[2]۔

آپؑ ساری نظربندیوں کے باوجود حکومت میں ایسے افراد پر نظر رکھے ہوئے تھے جو کسی بھی طرح کمزوروں کو حق دلانے میں مددگار ثابت ہوسکتے تھے۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے علی ابن یقطین سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ عباسی دربار میں رہیں شیعوں اور چاہنے والوں کو نجات دیں، علی ابن یقطین امام کاظم علیہ السلام کے خاص صحابیوں میں سے تھے جو عباسی حکومت میں بہت بااثر تھے وہ مہدی اور ہارون کے دور میں بھی بہت بااثر تھے اور انہوں نے شیعوں اور چاہنے والوں کو زمانے کی مشکلات سے نجات دلانے

---

1 - الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، ص435،

2 - البدایۃ والنہایۃ: ج10، ص183 اور تاریخ بغداد

کی ہر ممکنہ کوشش کی۔ جب انہوں نے امام علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ عباسی خلافت کو ترک کر دیں تو امام علیہ السلام نے انہیں اس طرح کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ایسا ہرگز نہ کرو کیونکہ ہمیں تمہاری وہاں ضرورت ہے تم اپنے بھائیوں (شیعوں) کے لئے باعث فخر اور عزت ہو شاید خداوند متعال تمہاری وجہ سے اپنے چاہنے والوں کو کامیابی عطا کرے اور ان کے بارے میں مخالفین کی سازشوں کو ناکام بنا دے۔

اس کے علاوہ آپ حکومت کے تعاون سے حد درجہ پرہیز کی تاکید کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حج کے زمانے میں ہارون رشید نے صفوان کے اونٹوں کو کرائے پر لیا امام علیہ السلام کو جب اسکی خبر ملی تو امام نے صفوان کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم نے اپنے اونٹ ہارون رشید کو کرائے پر دیئے ہیں صفوان نے کہا جی مولا۔ امام نے فرمایا کہ پھر تو ضرور تمہاری یہ دعا ہو گی کہ جب تک اونٹوں کا کرایہ نہ مل جائے ہارون رشید اور اس کے دربار والے زندہ رہیں؟ صفوان نے جواب دیا جی مولا امامؑ نے فرمایا: "جو بھی ان کی بقاء کی دعا کرے گا وہ ان میں سے ہے اور جو ان میں سے ہے اسکا ٹھکانہ جہنم ہے" صفوان نے جب یہ سنا تو اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا، اس نے اس کام سے توبہ کی اور اپنے اونٹ کسی کو بیچ دیئے۔ ہارون رشید کو جب اس کی خبر ملی تو ہارون نے کہا کہ اگر صفوان سے پرانی دوستی نہ ہوتی تو اس کو پھانسی پر لٹکا دیتا[1]۔

ان ساری چیزوں کی اطلاع عباسی خلفا کو تھی تبھی ہر ایک نے اپنی سہولت کے حساب سے امام کو قید و بند میں رکھا اور اتنا قید میں رکھا کہ شاعر کا یہ شعر اس کی عکاسی کرتا ہے:

مولا پے انتہائے اسیری گزر گئی، زندان میں جوانی و پیری گزر گئی

حضرت امام کاظم علیہ السلام نے اپنی پوری 35 سالہ امامت کے دور میں اکثر ایام یا نظر بند ہو کر گزارے یا قید خانہ کے اندر۔ پھر بھی شعرا، ادبا، مسئولان ثقافت، اہل تجارت، لشکری اور اہل علم حضرات سے رابطہ میں رہے اور ہر لمحہ عدل کی حکومت کے قیام اور مظلوموں کی حمایت کے انتظام میں منہمک رہے جہاں موقع ملتا تھا آپ اپنا حق ثابت فرماتے تھے اور حاکم وقت کی کمی کو اجاگر فرماتے تھے۔ یہی مثبت سیاست کی اساس ہوتی ہے جو امام کاظم علیہ السلام کی پوری زندگی میں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ آپ کثیر العیال ہونے کے باوجود اپنی سیاسی ذمہ داریوں سے پیچھے نہیں رہے۔ اگرچہ حکومت گاہے بگاہے آپ پر مہربان ہونے کا ناٹک بھی رچاتی رہی ہے مگر آپ سچائی اور حقیقت کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔

---

[1] - وسائل الشیعہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۱ ۔ ۱۳۲

جناب عمار یاسر اور حق کی پیروی

سید محمد مجتبیٰ علی رضوی

جناب عمار یاسرؓ

جناب عمار یاسرؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے کہ جو زمانۂ پیغمبر اکرم ﷺ میں بھی کافی اہم اور نمایاں شخصیت رہے ہیں اور بارگاہ رسالت کے مقربین میں سے ہیں۔ اور اسلامی سماج میں اپنا ایک الگ مقام و منزلت رکھتے تھے۔ اسلام کی شروعات میں ہی جناب عمار یاسرؓ کی خدمتیں اور قربانیاں قابل ذکر اور باعث فخر رہی ہیں۔

آپ کی والدہ اسلام کی پہلی شہید تھیں ابتدائے اسلام میں کفار مکہ نے جب نئے نئے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھا اس دوران جناب عمارؓ کی والدہؓ کو شہید کیا گیا۔

آپ کی یہ قربانی آپ کے اور آپ کے والدین کے جذبہ ایثار اور اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی آپ کی پوری زندگی اسلام کی مخلصانہ خدمت اور حق کی حمایت میں گذری ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں کتاب جامع صغیر سیوطی سے نقل کیا ہے کہ جنت چار لوگوں حضرت علیؑ، عمارؓ، سلمانؓ و مقدادؓ کی مشتاق ہے۔ جناب عمارؓ کی عظمت اس سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔[1]

وفات مرسل اعظم کے بعد جب خلافت کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت بھی جناب عمارؓ یاسر کا کردار واضح تھا کہ وہ کھلے عام ولایت امیر المومنین علی علیہ السلام کی حمایت کرتے تھے۔ اور جناب امیرؑ کی سیرت پر چلتے ہوئے اور اسلامی معاشرہ کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے اگرچہ انہوں نے خلافت سے سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن فرمانبرداری مولا علیؑ ہی کی کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت کا زمانہ آیا تو جناب عمارؓ نے بھرپور حمایت کی اور آخر کار جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب رہتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق فرقہ باغیہ لشکر شام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

خلافت کے تینوں ادوار میں جہاں بھی حق بولنے کی ضرورت ہوئی مدینہ سے دمشق تک جناب عمار نے زرا بھی دریغ نہیں کیا اور کھلے عام حق کی حمایت کرتے رہے یہاں تک کہ ایک موقع پر کچھ اوباشوں نے آپ پر حملہ کر کے کافی مارا پیٹا جس سے آپ بے ہوش ہو گئے اور کافی زخمی ہو گئے لیکن اپنے اصول اور راستے سے ہٹے نہیں بلکہ ہمیشہ حق و ولایت کے مدافع رہے۔

---

[1] مجالس المومنین، ص264

جناب عمار کی مدینہ ہجرت

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے پہلے گروہ میں جناب عمار بھی تھے جو کہ ہجرت کرکے مدینہ آگئے اسی گروہ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

والذین ھاجروا فی اللہ مِن بعدِ ما ظُلموا لنُبَوّئنّھم فی الدّنیا حسنۃ و لأجر الآخرۃ اکبرُ لو کانوا یعلمون[1]

تفسیر مجمع البیان کے مطابق یہ آیت اس گروہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے سب سے پہلے مدینہ ہجرت کی ہے جن میں جناب عمارؓ بھی شامل تھے۔[2]

جناب عمارؓ مدینہ میں ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی خبر موصول ہوئی تو استقبال کے لئے نکل پڑے اور مقام قبا میں ملاقات ہوئی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا تو عمارؓ نے فوراایک سائبان بنایا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے زیر سایہ آرام فرما سکیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں نماز ادا کی اور مسجد کے ارادہ سے وہاں کچھ پتھر رکھے جنہیں عمارؓ نے مکمل کرکے مسجد بنائی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی مسجد جناب عمار کے ہاتھوں تکمیل ہوئی۔[3]

عمارؓ میدان جنگ میں

ابتدائے اسلام سے ہی جناب عمار کی قربانیوں اور فداکاریوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا ایک طرف جہاں آپ کے والدین کفار مکہ کے ہاتھوں شہید ہوئے وہیں دوسری طرف جب بعد ہجرت میدان کارزار شروع ہوا تو وہاں بھی شجاعت کے جوہر دکھائے اور ہمیشہ اسلام کا دفاع اور امامت کی پیروی کی، یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے جنگوں میں جاںنثاری کے جلوہ دکھائے جنگ یمامہ میں جہاں مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور سوائے چند افراد کے کوئی میدان میں نہیں بچا تھا عمار ڈٹے ہوئے تھے وہ زخمی بھی تھے ان کا کان کٹ کر لٹک گیا تھا لیکن میدان میں جمے ہوئے تھے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بلا رہے تھے کہ میں عمار میدان میں ڈٹا ہوا ہوں تم لوگ کہاں بھاگ رہے ہو واپس آؤ۔ جناب رسالت مآب نے ان کی شان میں فرمایا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے۔[4] یہ جناب عمار کا ایمان اور جذبۂ فداکاری ہی تو تھا کہ زخمی ہونے کے بعد بھی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے۔

عمارؓ زمانہ خلافت میں

---

[1] (سورہ نحل، آیت42)

[2] (تفسیر مجمع البیان، ج6، ص361)

[3] (وفاء الوفاء، ج1، ص250؛ سیرہ ابن ہشام، ج2، ص143.)

[4] مجالس المومنین، ص264

دوسری خلافت کے زمانہ میں عمارؓ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا، اس حکومت نامہ میں خلیفہ ثانی نے اہل کوفہ کو خطاب کر کے کہا کہ جس کو میں نے تم لوگوں کا حاکم بنا کر بھیجا ہے وہ پیغمبر اکرم کے خاص اور نجیب اصحاب میں سے ہیں، لیکن کچھ عرصہ بعد کسی وجہ سے ان کو اس عہدہ سے برطرف کر دیا گیا عمارؓ مدینہ آ گئے ایک دن خلیفہ نے پوچھا کہ عمارؓ میں نے تمہیں حکومت سے ہٹا دیا ہے اس وجہ سے تم ناراض ہو، تو عمارؓ نے بے باک کہا کہ جس دن تم نے حکومت دی تھی اس دن میں خوش نہیں تھا اور آج جب حکومت لے لی ہے تو میں ناراض نہیں ہوں۔[1]

جس طرح جناب ابوذرؓ کو زمانہ خلافت میں شہر بدر کر دیا گیا تھا حق بولنے اور حق کی حمایت اور خلفاء کی مخالفت کی وجہ سے یا غلط کاموں پر خاموش نہ رہنے کی وجہ سے جناب عمارؓ کے لئے بھی حکومت وقت کی وہی منشاء تھی لیکن ان کے قبیلہ کی ہیبت نے خلیفہ کو اس عمل سے روکے رکھا اور پھر حضرت علیؑ کا وجود مقدس بھی اس مرحلہ میں رکاوٹ تھا کہ ابوذرؓ کے بعد اب کسی بھی قیمت پر عمارؓ کو شہر بدر نہیں ہونے دیں گے۔[2]

عمارؓ اتنے نڈر اور بے باک تھے کہ جب خلیفہ سوم عثمان پر اہل مدینہ اور اصحاب رسول کو اعتراض ہونے لگا اور مسلسل شاکی رہنے لگے تو سب نے ان کی قابل اعتراضات باتوں کو لکھا اور ایک جگہ جمع کیا اور پھر ساری گفتگو کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ اس تحریر کو عثمان کو دیا جائے تا کہ وہ اس سے اپنی غلطیوں کو ٹھیک کر لیں۔

اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ خلیفہ کے پاس یہ تحریر کون لے کر جائے تو اس کے لئے اس بے باک صحابی رسول اور مجاہد اسلام کا انتخاب ہوا جسے عمارؓ نے قبول کیا اور تحریر لے کر جناب عثمان کے پاس ان کے گھر گئے۔ اور آواز دی جب خلیفہ باہر آئے اور ان کے ہاتھوں میں ایک رقعہ دیکھا تو پوچھا کہ عمار کوئی حاجت ہے؟ اس پر حضرت عمارؓ نے کہا کے مجھے تو کوئی حاجت نہیں ہے خلیفہ سے، ہاں لوگوں کو تمہارے کچھ کاموں سے اعتراض ہے اسے مکتوب کر کے دیا ہے تا کہ تم اسے دیکھ لو اور اپنی اصلاح کر سکو۔ وہ پرچہ عمارؓ خلیفہ کو دیا خلیفہ اسے دیکھتے ہی غصہ ہو گئے اور غلاموں کو حکم دیا کہ عمارؓ کو زد و کوب کریں عمارؓ نے کہا بھی کہ مجھ پر غصہ نہ کرو بلکہ اسے ٹھیک سے پڑھ کے اپنی اصلاح کرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں، لیکن خلیفہ کے کارندوں نے انہیں بے دردی سے مارا اور کافی زخمی کر دیا۔[3]

عمار معیار حق و باطل

جس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی اس وقت سارے اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ کی ہمراہی میں مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے اور سب ایک ایک پتھر اٹھا کر لا رہے تھے لیکن یہی عمارؓ تھے کے اپنی طاقت سے بڑھ کر دو دو کر کے پتھر لا رہے تھے، اسی دوران ضعف اور کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے، تو پیغمبر اکرم ﷺ آپ کے پاس

---

[1] (الطبقات الکبری، ج3، ص255.)

[2] (تاریخ یعقوبی، ج2، ص70و69)

[3] مجالس المومنین، ص264

تشریف لائے اور خاک کو چہرہ سے صاف کرتے ہوئے آپ کو دعا دی اور ساتھ میں یہ پیشینگوئی بھی کی کہ ایک دن ایک باغی فرقہ کے ہاتھوں آپ جام شہادت نوش کریں گے جناب عمارؓ پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق معیار حق تھے، اور کسی کو بھی اگر کبھی حق کے سلسلے میں کسی بھی قسم کا کوئی شک اور تردد ہوا تو اس نے عمار کو دیکھا کہ وہ کہاں ہیں اس لئے کے عمار جہاں ہوں گے وہی حق ہو گا اور تاریخ شاہد ہے کہ تا حیات عمارؓ کو حضرت علیؑ کی بارگاہ میں دیکھا گیا یہاں تک کہ جنگ صفین میں جب ان کی شہادت ہو گئی تو اس وقت تمام لوگوں پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ لشکر شام باغی لشکر ہے کیونکہ حدیث رسول سچ واقع ہو گئی اور عمار لشکر شام کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس بات نے اپنے تو اپنے دشمنوں کی صف میں بھی کھلبلی مچادی جس کے بعد معاویہ اور عمرو عاص نے کہا کہ لشکر میں یہ خبر پھیلا دی جائے کہ ہم عمارؓ کے قاتل نہیں ہیں بلکہ عمارؓ کا قاتل وہ ہے کہ جو اسے جنگ کے میدان تک لایا، یعنی عمارؓ جس لشکر میں تھے وہی اس کا قاتل ہوا جب یہ خبر حضرت علی علیہ السلام کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح تو جناب حمزہؓ کے قاتل پیغمبر اکرم ﷺ ہوئے اس لئے کہ ان کو آپ ہی میدان جنگ میں لائے تھے۔۔[1]

خزیمہ بن ثابت جنگ جمل میں بے طرف رہے یعنی نہ کسی کی حمایت کی اور نہ مخالفت کی اسی طرح صفین کے زمانہ میں بھی بے طرف تھے اس لئے کہ یہ طے نہیں کر پا رہے تھے کہ حق کہاں ہے کہ اتنے میں عمارؓ کو دیکھا کہ جو حضرت علی علیہ السلام کی رکاب میں جنگ کے لئے آئے تھے خزیمہؓ کو اس وقت حدیث رسول یاد آ گئی اور ان کی نظر عمارؓ پر رہی اور ان کی شہادت نے ان پر عیاں اور ظاہر کر دیا کہ حق علیؑ کی طرف ہے پھر وہ بے دریغ جنگ میں کود پڑے اور حمایت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام میں جنگ کی یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح عمارؓ نے مرنے کے بعد بھی حق سے اپنا رشتہ ٹوٹنے نہیں دیا اور معیار حق بنے رہے۔

[1] (شذرات الذّہب، ج1، ص45؛ کشف الغمّہ، ج1، ص260؛ اعیان الشیعہ، ج8، ص375)

منبر کی فریاد

نتیجہ فکر: ندیم سرسوی

حضرتِ مرسلِ اعظم کی امانت میں ہوں　　تشنہ امت کے لئے بحرِ ہدایت میں ہوں
زینِ توحید ہوں تنویرِ رسالت میں ہوں　　الغرض مطلعِ خورشیدِ امامت میں ہوں
میری عظمت کو بچانے کے لئے اتنا کرو
تم مجھے دسترسِ جہل سے محفوظ رکھو

نسلِ آئندہ کی تعمیر اگر چاہتے ہو　　اور آیات کی تفسیر اگر چاہتے ہو
دینِ اسلام کی توقیر اگر چاہتے ہو　　جاننا مقصدِ شبیرؑ اگر چاہتے ہو
علم و عرفان کے زیور سے سجاؤ مجھ کو
اٹھو اور دین فروشوں سے بچاؤ مجھ کو

میرا ہر دور کے ذاکر سے یہی تو ہے خطاب　　صرف اس شرط پہ ہو سکتے ہو حقدارِ ثواب
نہ ہو تحریف زدہ دین و شریعت کا نصاب　　وحدت و امن کے تقسیم کرو تازہ گلاب
دین کو ٹھیس لگے ایسی خطابت نہ کرو
تم کو زینبؑ کی قسم میری تجارت نہ کرو

زور باطل کا ہے حق بات کی ارزانی ہے　　فکر میں زہر ہے لہجوں میں بھی ویرانی ہے
فتنہ پردازوں کی ہر سمت فراوانی ہے　　رقص کرتی ہوئی سر پہ میرے نادانی ہے
کیا ہوا ہے تمہیں کیوں میرا ہدف بھول گئے؟
چن لئے خار و خزف درِ نجف بھول گئے!

جذبہء میثمِ تمارؑ نہیں آتا نظر　　دین کے واسطے ایثار نہیں آتا نظر
جاگنے والا بھی بیدار نہیں آتا نظر　　آج "بیعت" تو ہے "انکار" نہیں آتا نظر
دین کے نام پہ اتنے نہیں فتنے اٹھتے
حق ادا میرا اگر ڈھنگ سے ذاکر کرتے

سارا سرمایہ اقدارِ سلف بیچ دیا   چند سکّوں کے عوض دیں کا شرف بیچ دیا
اپنے خاطر مرے مولیٰؑ کا ہدف بیچ دیا   کربلا بیچی کبھی شہرِ نجف بیچ دیا
بے خطر آج میں دیتا ہوں گواہی سرِ عام
تاجروں نے ہی اجاڑا ہے خطابت کا نظام

دل تھے بیدار نصیحت بھی اثر کرتی تھی   اور خرافات سے پاکیزہ ہوا چلتی تھی
علم کی روشنی پہلو سے مرے اٹھتی تھی   میری طاقت سے عدو قوم ہر اک ڈرتی تھی
کیا تھا میں اور کیا یہ حال بنایا میرا
گھر کے لوگوں نے بھی رتبہ ہے گھٹایا میرا

نرغہ جہل میں بے بس تک و تنہا میں ہوں   شر پسندوں سے لگی آگ میں جلتا میں ہوں
زہر مجلس میں اگلتے ہیں وہ مرتا میں ہوں   قیمتیں لگتی ہیں بازار میں بکتا میں ہوں
میں ہوں فریادی کوئی گوش بر آواز نہیں
ایسا لگتا ہے مرا اب کوئی دم ساز نہیں

دیں فروشوں نے مراجب سے کیا مسخ وقار   وعظ و تبلیغ سے ہونے لگی امت بیزار
اچھا لگنے لگا لوگوں کو نصیری کا شعار   وہ ملنگوں کو سمجھنے لگے سچا دیندار
گر یہی حال رہا دین اجڑ جائے گا
جو بھی چپ ہے وہ خموشی کی سزا پائے گا

امتِ حقہ کو حصّوں میں کئی بانٹ گئے   میرے اقدار کو دیمک کی طرح چاٹ گئے
سادہ اذہان کا نفرت سے خلا پاٹ گئے   دین کا مکر و سیاست سے گلا کاٹ گئے
شمرِ ملعون نے مقتل میں جو انجام دیا
زرخریدوں نے بھی منبر سے وہی کام کیا

کربلا ڈھنگ سے اک بار سمجھ لیتے اگر   ہے جو مقصودِ نبی ویسے ہی تم جیتے اگر
علم کے باب سے مانوس سدا رہتے اگر   جو علیؑ نے کہا امت سے وہی کہتے اگر
نہ ملنگی نہ نصیری نہیں غالی ہوتے
ہر طرف مولیٰؑ کے میثم سے موالی ہوتے

جابر بن عبد اللہ انصاری

خواہر صابرۃ الزہرا

جابر بن عبد اللہ انصاری کا شمار ان نایاب لوگوں میں ہوتا ہے جو حقیقی معنوں میں عارف، فہیم، متقی، مجاہد اور رسول و آل رسول ﷺ کے ایک وفادار دوست، اسلام کے محافظ اور رسول اللہ ﷺ کے باوفا صحابی تھے، آپ مدینہ منورہ کے ایک معزز گھرانے "خزرج" کے خاندان میں، ہجرت سے تقریباً پندرہ سال پہلے، پیدا ہوئے۔ جناب جابر کے والد "عبد اللہ بن عمرو" اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت (مکہ سے مدینہ) سے پہلے اسلام قبول کیا اور اپنی پوری زندگی اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر دی اور آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی[1]۔ "عبد اللہ بن عمرو" نے جنگ بدر میں شرکت کی اور غزوہ احد میں شہادت کا اعلیٰ درجہ حاصل کیا[2]۔ جناب جابر کی والدہ کا نام "نسیبہ بنت عقبہ بن عدی" تھا[3]۔

آپ نے 19 جنگوں میں شرکت کی اور بدر اور احد کے موقع پر آپکی عمر 14 سال تھی۔ جنگ احد کے میدان میں آپ نے بھی جانے کی خواہش ظاہر کی مگر رسول خدا ﷺ نے آپ کو جانے سے روک دیا اور فرمایا: کہ تم ہماری مدد کرو اور مجروحین کو پانی پلاؤ۔ مگر آپکے والد جناب عبد اللہ میدان میں گئے اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ میدان میں جانے سے پہلے آپ نے جناب جابرؓ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میں اس جنگ میں شہید ہو جاؤں گا، آپ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرا ایک دوست جو جنگ بدر میں شہید ہو گیا وہ میرے خواب میں آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہارے منتظر ہیں۔ اور اس کے بعد آپ نے جناب جابرؓ سے وصیت کی کہ میں فلاں یہودی کا مقروض ہوں تم میرے اس قرض کو ادا کر دینا اور میری ساتوں بیٹیوں کی ذمہ داری بھی تمہارے کاندھوں پر ہے، اور اسکے بعد آپ جنگ میں گئے اور شہادت پائی۔

جناب جابرؓ نے سارا ماجرا رسول خدا ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا کہ جب درختوں پر خرما تیار ہو جائیں تو مجھے بتانا، جب خرما تیار ہوا تو جناب جابرؓ نے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا کہ خرما آمادہ ہو چکا ہے، تو آپ نے توڑنے کا حکم دیا اور اس کو تین کیٹیگری میں تقسیم کیا، اچھا، درمیانی، اور معمولی، آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو بلا کر لاؤ، یہودی آیا تو اس نے خرمہ کو دیکھا تو بولا کہ یہ تو کم ہے اور میرے قرض کی برابری نہیں کر سکتا، رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تو فقط اتنا بتا کہ تیرا قرض کتنا ہے اور جب مقدار معین ہوئی تو آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کو کیسہ بھر بھر کے دینے شروع کئے، یہاں تک کہ معین مقدار تک پہونچ گئے۔ جناب جابرؓ بن عبد اللہ فرماتے

---

[1] بحار الانوار، ج 18 ص 31

[2] الغدیر، ج 7 ص 264

[3] اعیان الشیعہ ج 4

ہیں کہ ان خرمے میں اتنی برکت ہوئی کہ قرض ادا کرنے کے بعد بھی بچے رہے اور ہم نے ان سے ایک سال تک استفادہ کیا اور وہ ختم نہیں ہوئے۔

جناب جابرؓ نے اپنی مبارک زندگی کے 90 سال سے زیادہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی نشر اشاعت میں گزارے، اور آپ ایک مخلص شجاع، متقی اور عاشق رسول خدا ﷺ اور ایک باکمال عالم تھے۔ جناب جابر نے سات معصومین اور پانچ اماموں کا زمانہ دیکھا اور آپ انکے خاص شاگردوں اور ساتھیوں میں سے تھے۔ "جابر بن عبد اللہ انصاریؓ" وہ تھے کہ جنھوں نے اسلام کی پرورش کی اور اس کی ترقی و توسیع کا سبب بھی بنے، اور اس میدان میں آپ نے اتنی محنت کی کہ آپ کو "اصفیا" کے نام سے جانا جانے لگا ہے۔

آپ نے احادیث کی اشاعت کو اتنی اہمیت دی کہ آپ کا نام احادیث کی تمام کتابوں میں حدیث کے ناقل اور اہل بیت علیہم السلام کی معرفت کے ناشر کے طور پر چمکتا ہے۔ جہاں آپ سے بہت سی حدیثیں نقل ہوئی ہیں، وہیں آپ سے مشہور ترین حدیث، "حدیث کساء" بھی نقل ہوئی ہے جو عامہ اور خاصہ کے درمیان معتبر و مشہور ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس محترم کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے، اس سے سبق حاصل کیا جائے اور اسے اپنی زندگی میں اسوہ قرار دیا جائے۔

ابو زبیر مکی کہتے ہیں: میں نے جناب جابرؓ کو دیکھا کہ وہ چھڑی کا سہارا لئے، مدینہ کی گلیوں سے گزرتے، اور اہل مدینہ سے کہتے ہیں:

"عَلِي خَيرُ الْبَشَرِ فَمَنْ اَبى فَقَدْ كَفَرَ، مَعاشِرَ الْاَنْصارِ اَدِّبُوا اَولادَكُمْ عَلى حُبِّ عَلِي". حضرت علی علیہ السلام لوگوں میں سب سے افضل ہیں، لہٰذا جس نے اس کا انکار کیا اس نے کفر کا راستہ اختیار کیا[1]۔ اے مدینہ کے مسلمانوں، اپنے بچوں کو حضرت علی علیہ السلام کی دوستی اور محبت کی بنیاد پر تعلیم دو، جو اس سے روکے، دیکھو کہ اس کی ماں نے امانت میں خیانت کی ہے[2]

ابو زبیر کہتے ہیں: میں نے جناب جابرؓ سے حضرت علی علیہ السلام کے بارہ میں پوچھا تو جناب جابرؓ نے اپنی آنکھوں پر پڑی بھنوں کو اٹھایا اور کہا: حضرت علی علیہ السلام روی زمین پر بہترین انسان تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم جب بھی منافقین کو پہچاننا چاہتے تو ہمارا معیار حضرت علی علیہ السلام کی محبت ہوتا۔ یعنی جو مولا علی علیہ السلام سے محبت کرتا وہ مومن، اور جو مولا علی علیہ السلام سے بغض رکھتا وہ منافق ہوتا۔ جناب جابرؓ کی مسلسل یہی کوشش رہتی کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی معرفت اور انکے افکار کو پھیلایا جاے اور یہی جناب جابرؓ کی خاصیت تھی، ایسے وقت میں جب دشمن اہل بیت علیہم السلام کی شخصیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے، اس وقت میں جناب جابرؓ اہل بیت علیہم السلام کی شخصیت کو اجاگر کر رہے تھے۔ جناب جابرؓ

[1] رجال کشی ص 44/40

[2] ہمان

کی امانت کے بارے میں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: جابر کبھی جھوٹ نہیں بولتا[1]۔ اس سلسلے میں مورخین نے کہا ہے: **"وَكَانَ مِنَ الْمُكْثِرِينَ فِي الْحَدِيثِ، الْحَافِظِينَ لِلسُّنَنِ"** جناب جابرؓ اسلام کی تعلیمات اور افکار کو بیان کرنے میں بہت متعدد، اور اسلامی روایات کے محافظوں میں سے تھے۔

اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ رسول خدا ﷺ کے آخری صحابی اور ہم اہلبیت علیہم السلام سے منسلک تھے.

جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ جہاں بھی جاتے ایک جملہ آپ کے لبوں پر رہتا "یا باقر العلوم، یا باقر العلوم، جب لوگ آپ کو دیکھتے تو یہی کہتے کہ جابر ہذیان بک رہے ہیں تو آپ جواب میں کہتے کے میں ہذیان نہیں بک رہا بلکہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: **"یا جابر انك ستدرك رجلاً منّی"** اے جابر تم میرے ایک بیٹے سے ملاقات کرو گے جس کا نام میرے نام (محمد) پر ہو گا، جو چال ڈھال میں میری شبیہ ہو گا جو علم کی نہریں جاری کرے گا، جو علم کی گتھیوں کو سلجھائے گا. پس اس لئے میں انکا انتظار کر رہا ہوں. اور ایک دن یہ انتظار بھی ختم ہو گیا کہ جب آپ نے امام محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا تو فرمایا اے جوان چل کر آگے آؤ، اب ذرا پیچھے جاؤ، جب جناب جابرؓ کو یقین ہو گیا تو فرمایا: کہ خدا کی قسم اس جوان کا ظاہر رسول خدا ﷺ کا ظاہر ہے، اور پھر معلوم کیا آپ کا نام کیا ہے تو امام باقر علیہ السلام نے فرمایا میرا نام محمد باقرؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ ہے، یہ سنتے ہی جناب جابرؓ نے امام باقر علیہ السلام کو چومنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے "بابی انت و امی" میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں.

اور اس کے بعد آپ نے فرمایا: **"ابوك رسول الله صل الله علیه واله و سلم یقرئك السلام"** آپ کے جد رسول خدا ﷺ نے آپ کو سلام کہا ہے. اور اس کے بعد جناب جابرؓ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، یہاں تک امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت واقع ہو گئی اور امام باقر علیہ السلام عہدہ امامت پر فائز ہوئے تو امام محمد باقر علیہ السلام جناب جابرؓ سے ملاقات کے لئے آپ کے گھر جانے لگے جب آپ سے معلوم کیا کہ آپ جابر کے پاس کیوں جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں انکے احترام واکرام کے لئے ان کے پاس جاتا ہوں[2]. (اگر صحابی رسول اس معیار کا ہوتا ہے تو امام وقت خود اسکے احترام میں اسکے گھر تک چل کر جاتا ہے)۔

اولین زائر امام حسین علیہ السلام:

---

[1] تہذیب الاحکام ج9 ص309 حدیث 1106

[2] اصول کافی ج1 ص469

جابر بن عبد اللہ انصاری کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ امام حسین علیہ السلام کے پہلے زائر ہیں۔ آج جو ہم کربلا میں لاکھوں زائرین کی تعداد دیکھتے ہیں یہ آپ ہی کی سنت ہے۔ زائرین کے سیلاب کا پہلا قطرہ جناب جابرؓ ہی ہیں، اور آپ ہی ہیں جس نے یہ سنت قائم کی ہے۔ آپ کی ذات سے کچھ ایسے کارنامے صادر ہوئے ہیں جو رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گئے۔

- آپ وہ ہیں جس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے آوازاحتجاج بلند کی (امام حسین علیہ السلام کے قتل پر عالم اسلام پر خاموشی طاری تھی جس کو جناب جابرؓ نے توڑا)۔
- تنہا تھے مگر ڈرے نہیں، جب ساری امت اسلام یزید کے ظلم و ستم سے ڈر کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ خانہ نشین تھی اس وقت جناب جابر نے اپنے غلام (عطیہ) کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی طرف پہلا قدم بڑھایا۔
- جس وقت ساری امت اسلام آنکھیں ہونے کے باوجود اپنی آنکھوں پر خوف کی پٹی باندھے یہ سب دیکھ رہی تھی اس وقت میں جناب جابر نابینا ہونے کے باوجود امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے چلے۔
- آپ نے اس وقت میں زیارت کا قصد کیا جب آپ 90 سال کی عمر گزار چکے تھے اس عالم پیری میں آپ نے کربلا کے بیابان کا سفر کیا جب عام انسان کے لئے سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔
- آپ اس حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھتے جارہے تھے کہ اگر آپ قتل بھی کردیے جائیں تو یہی کہا جائے کہ امام حسین علیہ السلام کے زائر کو قتل کیا گیا ہے۔
- آپ جب زیارت کے لئے چلے تو آپ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے تھے اور ذکر کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر پر پہنچ گئے۔ خود کو قبر مطہر ابا عبد اللہ الحسین علیہ السلام پر گرادیا اور آواز دی "**حبیبی یا حسین ،حبیبی یا حسین**" اے میرے دوست حسین، اے میرے دوست حسین۔ جب جواب نہ ملا تو فرمایا:

"**حبیب لا یجیب حبیبه**" ایک دوست دوسرے دوست کا جواب کیوں نہیں دے رہا، روتے روتے خود کہتے ہیں آپ کیوں کر جواب دے سکتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ آپکے گلے کی رگوں کے ساتھ کیا کیا گیا۔ یہ کہ کر اتنا روئے کہ بیہوش ہوگئے۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو دائیں بائیں دیکھ کر کہا۔

"**السلام علیکم ایتها الارواح التی حلت بفناء الحسین**" گویا آپ نے چشم بصیرت سے شہدائے کربلا کو دیکھ کر کہا سلام ہو میرا آپ سب پر کہ جنھوں نے امام حسین علیہ السلام کے اوپر اپنی ارواح کو قربان کردیا۔

اخباری تراشے

- **شعبہ آموزش:**

خداوند کریم کے لطف و کرم سے اور حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی خاص توجہات کے طفیل نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہندوستان کی طرف سے پانچواں کل ہند علمی مسابقہ بتاریخ 23/ذی الحجہ ۱۴۴۴ مطابق 12/جولائی ۲۰۲۳ بروز بدھ صبح 9:0۰ بجے پورے ہندوستان میں بنحو احسن مدیران، ناظرین اور اساتید حوزہ ہای علمیہ ہندوستان دامت توفیقاتہم کی مخلصانہ ہمکاری کے نتیجے میں مکمل نظم وضبط اور قوانین کی پاسداری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

قابل ذکر ہے: اس علمی مسابقہ میں 73 مدارس کے 2086 طلاب نے شرکت کی۔

جن کی تفصیل اس طرح ہے رتبہ اول میں 1125 رتبہ دوم میں 640 رتبہ سوم میں 321 ،کل 2086

توجہ: جو طالب علم 85 سے زیادہ نمبروں سے پاس ہونگے ہر سطح میں ان کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ تین طلاب کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ البتہ رتبہ سوم میں 96 سے زیادہ نمبر لانے والے طلاب میں سے ایک طالب علم کی قرعہ اندازی کے ذریعہ براہ راست جامعہ المصطفیٰ ایران میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے مالی کمک کی جائیگی۔

- **شعبہ پژوہش:**

نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العالمیہ ہندوستان کا شعبہ تحقیقات (معاونت پژوہش) نمایندگی کے سربراہ جناب حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر رضا شاکری مدظلہ العالی کی رہنمائی میں ہندوستانی مدارس علمیہ کے طلاب کی علمی لیاقت کی ارتقاء کے لئے مختلف اندازمیں اپنی علمی خدمات میں سرگرم ہے جن میں سے مجلہ البصائر کے علاوہ انگریزی زبان میں شائع ہونے والا علمی، تحقیقاتی سہ ماہی مجلہ تفکر دینی بھی ہے جس کا بیسواں شمارہ شائع ہونے کے لئے تیار ہے، اگلے شماروں میں شائع ہونے کے لئے محققین انگریزی زبان میں اپنے علمی، تحقیقاتی مضامین ارسال کر سکتے ہیں۔

- **شعبہ ثقافت و تربیت:**

جامعہ نورالہدی گونڈی، ممبئی میں تربیت مبلغ کا خصوصی کورس

ہندوستان میں جامعۃ المصطفیٰ کی نمائندگی کے شعبہ ثقافت و تربیت اور رابطہ عام کے تحت جامعہ نور الہدیٰ گونڈی، ممبئی میں تربیت مبلغ کا خصوصی کورس 14 جون 2023 مطابق 24 ذیقعدہ 1444ھ سے 23 جون 2023 مطابق 4 ذی الحجہ 1444ھ منعقد کیا گیا جس میں ممبئی میں موجود علماء وخطبا حجۃ الاسلام مولانا سید قیصر صاحب قبلہ نجفی ہاؤس ممبئی، مولانا سید روح ظفر صاحب قبلہ امام جمعہ والجماعت خوجہ مسجد ممبئی، مولانا سید نصیر الحسن نصیر اعظمی صاحب قبلہ (بنارس)، مولانا سید نجیب حیدر صاحب قمی مسئول آموزش جامعہ و امام جماعت مسجد زہرا گونڈی ،مولانا سید ذوالفقار حسین رضوی صاحب قبلہ امام جماعت دوستی پلانٹ ممبرا ممبئی، مولانا سید انتظار مہدی عابدی صاحب قبلہ امام جمعہ والجماعت شیعہ جامعہ مسجد و مدیر جامعہ نورالہدیٰ گوونڈی ممبئی اور مولانا صولت حسین صاحب قبلہ کی تدریس سے مختلف موضوعات پر استفادہ کیا گیا۔ اس کورس کی اختتامی تقریب میں نمائندگی جامعۃ المصطفیٰ کے سربراہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین حاج آقای رضا شاکری زید عزہ نے طلاب و اساتید سے آن لائن خطاب فرمایا۔

اسی طرح جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب لکھنو اور نمائندگی جامعۃ المصطفیٰ کی کے شعبہ ثقافت و تربیت اور رابطہ عام کے تعاون سے یکم جولائی 2023 سے 9 جولائی 2023 تک معتبر علما و خطباء کی تدریس میں تربیت مبلغ کا خصوصی کورس رکھا گیا جس میں امام مہدی اعظم گڑھ، امام جعفر صادق جونپور، جامعہ ابوطالب سیتاپور، جامعہ امام صادق جلالپور، حوزہ علمیہ بقیۃ اللہ جلالپور اور وثیقہ عربی کالج فیض آباد کے طلاب کے ساتھ جامعہ سلطانیہ لکھنو، جامعہ ناظمیہ لکھنو، حوزہ علمیہ غفرانمآب لکھنو اور جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے طلاب نے حصہ لیا۔ اس کورس کی اختتامی تقریب 10 جولائی کو منعقد ہوئی جس میں مذکورہ سبھی مدارس کے عہدہ داروں اور مدیروں نے شرکت کی اس تقریب میں نمائندگی جامعۃ المصطفیٰ کے سربراہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین حاج آقای رضا شاکری زید عزہ کا پیغام طلاب و اساتید کی موجودگی میں قرات کیا گیا۔

- شعبہ امور اہل سنت:

الحمد للہ حیدر آباد (تلنگانہ) اور بینگلور کے بعض بڑے مدارس کا دورہ ہوا جن میں تعلیمی ارتقاء اور بالخصوص فارسی زبان کی ترویج و احیاء کی بات ہوئی چونکہ ہمارے اکثر دینی متون اسی میں ہے اسی کے ساتھ جو طلاب شعبہ گرگان میں فارسی کورس میں اپنی تعلیم کو جاری رکھنا چاہتے ہیں ان کے تعاون کے لئے بھی نمایندگی جامعۃ المصطفی ہندوستان آمادہ ہے.